احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماھنامہ

انصار اللہ

ربوہ

نومبر ۱۹۹۶ء

ایڈیٹر

نصر اللہ خان ناصر

راحت حقیقی ۔ بہشتی زندگی

سیّدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ..... فرماتے ہیں:

"سچے مذہب کی نشانیوں میں سے یہ ایک عظیم الشان نشانی ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کی پہچان کے وسائل بہت سے اس میں موجود ہوں تا انسان گُناہ سے رُک سکے۔ اور تا وہ خدا تعالیٰ کے حُسن و جمال پر اطلاع پاکر کامل محبت اور عشق کا حصہ لیوے۔ اور تا وہ قطع تعلق کی حالت کو جہنم سے زیادہ سمجھے۔ یہ سچی بات ہے کہ گناہ سے بچنا اور خدا تعالیٰ کی محبّت میں محو ہو جانا انسان کے لئے ایک عظیم الشان مقصود ہے اور یہی وہ راحت حقیقی ہے جس کو ہم بہشتی زندگی سے تعبیر کر سکتے ہیں....."

(لیکچر لاہور
رُوحانی خزائن جلد ۲۰ صـ ۱۴۸-۱۴۹)

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

نبوت ۱۳۷۵ ہش

نومبر ۱۹۹۶ء

ایڈیٹر

نصر اللہ خان ناصر

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر: قاضی منیر احمد

مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دار الصدر جنوبی۔ ربوہ

اس ماہ کے شمارہ میں

جلد نمبر ـــــــــ ۳۵

شمارہ نمبر ـــــــــ ۱۱

شرح چندہ

پاکستان ـــــــــ ساٹھ روپے سالانہ

قیمت فی پرچہ ـــــــــ چھ روپے

ادار یہ

"کوئی رہ نزدیک تر، راہِ محبّت سے نہیں"

ہمارے دینی معاملات ہوں یا دنیوی، گھریلو امور ہوں یا معاشرتی، انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی انہیں خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کیلئے محبت، حکمت اور ہمدردی کی راہ ہے جو نتیجہ خیز ہوسکتی ہے۔ مذہب کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ مذہب کا خلاصہ اور لبّ لباب محبت ہے، خصوصاً دینِ حق، جو ایک کامل ضابطہ حیات ہے۔ مذہب اس راستہ کا پتہ دیتا ہے جو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبّت کا ہے اور دوسری طرف بنی نوع انسان اور مخلوق خدا سے محبت کا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبّت اس کی مخلوق سے محبّت کا باعث بنتی ہے اور محبت کا لازمی نتیجہ ذکر الٰہی ہے۔ جس سے صفاتِ الٰہیہ پر غور کرنے کی توفیق ملتی ہے اور صفاتِ الٰہیہ پر غور و فکر سے محبت الٰہی ظہور میں آتی ہے۔ عبادات کی بھی یہی غرض ہے کہ وہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے ہو اور اس میں عاشقانہ رنگ ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ اے رسول تو کہہ دے کہ میری نمازیں میری قربانیاں میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو رب العلمین ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا رب العلمین جو روحانی بقا و لقا کا مقام دینے والا ہے وہی محبت کے لائق ہے اور اس محبت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور پھر اسی سے انسانیت کیلئے محبت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود ...... نے بھی مذہب کی غرض یہی بیان فرمائی ہے، آپ نے فرمایا:۔

"....دل کی حقیقی پاکیزگی اور خدا تعالیٰ کی سچی محبت اور اس کی مخلوق کی سچی ہمدردی اور حلم اور رحم اور انصاف اور فروتنی اور دوسرے تمام پاک اخلاق اور تقویٰ اور عبادت اور راستی...... مذہب کی روح ہے۔" (لیکچر لاہور)

اگر مذہب کی یہ روح قائم ہو جائے تو معاشرہ میں امن و سکینت کا دور دورہ ہوگا اور انسان صرف انسان سے ہی نہیں تمام مخلوق خدا سے سچی ہمدردی کرنے والا ہوگا۔ آج دنیا کے تمام مسائل کا حل دینِ حق کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے جس کا محور محبت ہے۔ دعوت الی اللہ کا بھی یہی کامیاب نسخہ ہے۔ جب ایک داعی الی اللہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کی دعوت کے ثمرات بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے وجود ہونگے۔ پس حضرت اقدس مسیح موعود..... کی بیان فرمودہ اس حقیقت سے زندگی کا گوہرِ مقصود مل سکتا ہے۔

کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبّت سے نہیں ⁘ طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشتِ خار
تیرِ تاثیرِ محبّت کا خطا جاتا نہیں ⁘ تیر اندازو! نہ ہونا سست اس میں زینہار

اخلاص و وفا کے پیکر ——

محترم مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر مربی سلسلہ احمدیہ سپین و پرتگال اور محترم آفتاب احمد خان صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ انگلستان کی وفات

۱۔ محترم مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر مربی سلسلہ احمدیہ سپین و پرتگال نصف صدی تک دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے بعمر ۷۷ سال مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۹۶ء کو غرناطہ (سپین) میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپ نے جن نامساعد حالات میں سرزمین سپین میں دینِ حق کی شمع کو روشن کیا اور نہایت صبر و استقلال سے تثلیث کدہ میں قیامِ توحید کا مشن جاری رکھا وہ یقیناً قابلِ رشک و ستائش ہے۔ آپ نے ایک لمبا عرصہ عطر فروشی کے طور پر اپنے اخراجات پورے کئے اور اشاعتِ دین کے مقدس مشن کو جاری رکھا اور تا دمِ آخر نہایت صدق و اخلاص کام کیا۔ آپ نے سپین میں ہر شعبہ زندگی کی بڑی بڑی اہم شخصیات کو بھی پیغامِ حق پہنچایا۔ اور مختلف اوقات میں میڈرڈ۔ قرطبہ اور غرناطہ کے علاوہ پرتگال کی سرزمین میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا فرض ادا کیا۔ آپکی جدوجہد کا ہی یہ ثمر تھا کہ سات سو سال بعد سپین میں قرطبہ کے قریب پیدروآباد میں "بیت البشارت" کے سنگِ بنیاد کی تقریب پیدا ہوئی۔ آپ نہایت ہمدرد، محبت کرنے والے وفا شعار اور صابر و شاکر وجود تھے۔

۲۔ محترم آفتاب احمد خان صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ برطانیہ ایک لمبے عرصہ تک دینی، انتظامی اور ملی خدمات سرانجام دیتے ہوئے بعمر ۷۲ سال مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء لندن میں اچانک وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی فارن سروس سے منسلک ہو گئے اور کئی ممالک میں سفیر کی حیثیت سے قوم و ملک کیلئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ گذشتہ دس سال سے آپ نے امیر جماعتہائے احمدیہ برطانیہ کے طور پر نہایت اعلیٰ خدمات سرانجام دیں۔ آپ کو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی براہِ راست ہدایات اور راہنمائی میں عظیم انتظامی فرائض ادا کرنے کی توفیق ملی۔ آپ کو جلسہ سالانہ یو۔کے کے موقعہ پر نہایت بلند پایہ علمی اور تربیتی تقاریر کرنے کی سعادت ملی۔ آپ کی اچانک وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے گہرے حزن و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "حضرت مسیح موعود ...... کا یہ الہام آپ کی وفات پر بھی صادق آتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ ...... ہمارا بھائی اس دنیا سے چل دیا۔" (تذکرہ صفحہ ۷۸۰)

یہ سانحاتِ ارتحال اگرچہ ساری جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ایک بڑا صدمہ ہے۔ تاہم دینِ حق کے لئے جو خدمات اور قربانیاں ان مخلصین کے ذریعہ پیش کی گئیں وہ ان کی دائمی حیات کا موجب ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　٭　ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ادارہ ماہنامہ انصار اللہ ان صدمات کے موقعہ پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ جماعت احمدیہ عالمگیر اور مرحومین کے اہل و عیال اور لواحقین سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مبارک وجودوں کے درجات بلند فرمائے اور ان کے اہل و عیال کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

امام الکلام

"اصل سرچشمہ نجات کا محبّت ذاتی ہے جو وصالِ الٰہی تک پہنچاتی ہے"

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود...... فرماتے ہیں :۔

"اصل حقیقت اور اصل سرچشمہ نجات کا محبت ذاتی ہے جو وصال الٰہی تک پہنچاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کوئی محبّ اپنے محبوب سے جُدا نہیں رہ سکتا۔ اور چونکہ خدا خود نُور ہے اس لئے اس کی محبت سے نورِ نجات پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ محبت انسان کی فطرت میں ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی محبت ذاتی انسان کی محبت ذاتی میں ایک خارق عادت جوش بخشتی ہے۔ اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے ایک فنا کی صورت پیدا ہو کر بقا باللہ کا نور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ دونوں محبتوں کا باہم ملنا ضروری طور پر اس نتیجہ کو پیدا کرتا ہے کہ ایسے انسان کا انجام فنافی اللہ ہو اور خاکستر کی طرح یہ وجود ہو کر (جو حجاب ہے) سراسر عشق الٰہی میں رُوح غرق ہو جائے۔ اس کی مثال وہ حالت ہے کہ جب انسان پر آسمان سے صاعقہ پڑتی ہے تو اس آگ کی کشش سے انسان کے بدن کی اندرونی آگ یک دفعہ باہر آجاتی ہے تو اس کا نتیجہ فنا ہوتا ہے۔ پس دراصل یہ رُوحانی موت بھی اسی طرح دو قسم کی آگ کو چاہتی ہے۔ ایک آسمانی آگ اور ایک اندرونی آگ اور دونوں کے ملنے سے وہ فنا پیدا ہو جاتی ہے جس کے بغیر سلوک تمام نہیں ہو سکتا۔ یہی فنا وہ چیز ہے جس پر سالکوں کا سلوک ختم ہو جاتا ہے۔ اور جو انسانی مجاہدات کی آخری حد ہے۔ اسی فنا کے بعد فضل اور موہبت کے طور پر مرتبہ بقا کا انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں اشارہ ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو یہ مرتبہ ملا یعنی محض خدا کے فضل سے نہ کسی عمل کا اجر[1] اور یہ عشقِ الٰہی کا آخری نتیجہ ہے جس سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے اور موت سے نجات ہوتی ہے۔

---

[1] انسان چونکہ بوجہ اپنی بشریت کی کمزوریوں کے ایسے اعمال بجا نہیں لا سکتا جن سے بے انتہا اور غیر محدود نعمتوں کا حقدار ہو جائے اور بغیر حصول ان نعمتوں کے سچی اور حقیقی نجات پا ہی نہیں سکتا۔ اس لئے انسان جب اپنی قوت اور طاقت کی حد تک مجاہدہ اور جپ تپ کر لیتا ہے تب عنایت الٰہی اس کی کمزوری پر رحم کر کے محض فضل سے اس کی دستگیری کرتی ہے اور مفت کے طور پر وصالِ الٰہی کا وہ انعام اس کو دیتی ہے جو پہلے اس سے راستبازوں کو دیا گیا تھا۔ (چشمہ مسیحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۶۴-۳۶۵)

کلام الامام

معرفت الٰہی کا اہم ذریعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود...... اپنے لیکچر عرفان الٰہی میں فرماتے ہیں:۔

"...... عرفان الٰہی حاصل کرنے کے صحیح ذرائع اور طریق کیا ہیں...... عرفان الٰہی کے معنے ہیں اس ہستی کا پتہ لگانا جس کی صفات کو قرآن کریم میں پڑھا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ پتہ لگانے کے کیا ذرائع ہیں۔ اس کیلئے یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر پتہ لگانے کے یہ معنے ہیں کہ انسان خدا کو دوسری چیزوں کی طرح اپنے سامنے پالے اور اسے اپنے مادی اعضاء سے چھولے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان میں وہ باتیں پائی جائیں جو خدا تعالیٰ میں ہیں۔ کیونکہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مادّی اعضاء جن چیزوں کو چھوتے ہیں وہ مادّی ہی ہوتی ہیں اور جتنا جتنا مادہ اشیاء میں کم ہوتا جاتا ہے وہ اتنی ہی کم محسوس ہوتی ہیں۔ وجہ یہ کہ جب تک دو چیزوں میں مشارکت نہ ہو اس وقت تک ان کا آپس میں تعلق پیدا نہیں ہو سکتا۔ مثلاً بھینس اور علوم میں کسی قسم کی مشارکت نہیں۔ اب اس کے سامنے فلسفہ بیان کیا جائے تو کبھی نہیں سمجھ سکے گی۔ اسی طرح طوطے میں گو زبان کی مشارکت ہے لیکن عقل کی مشارکت نہیں رکھتا۔ اس لئے آواز کی نقل تو اُتار لیتا ہے لیکن کوئی بات سمجھ نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرفان الٰہی کے لئے مشارکت اور مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور خدا کا عرفان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب خدا سے مشارکت پیدا ہو جائے اور خدا کی صفات انسان کے اندر آجائیں۔ یہ تو میں نہیں کہتا کہ جب تک ہماری ہستی خدا کی طرح نہ ہو جائے اس وقت تک عرفان الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ کہتا ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کہ خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔ رسول کریمؐ نے یہ اس لئے فرمایا ہے کہ تم میں اور خدا میں مشارکت پیدا ہو جائے اور جب مشارکت پیدا ہو جائے تو تم خدا کو دیکھ لوگے یہ نہیں فرمایا کہ تم خدا جیسی ذات بن جاؤ بلکہ یہی فرمایا ہے کہ اپنے اخلاق خدا کے اخلاق کی طرح بناؤ۔ وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات کو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا اور جب سمجھ نہیں سکتا تو اس کی مماثلت نہیں اختیار کر سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات کو دوسری چیزوں کی طرح انسان نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں اس کی صفات جنہیں وہ معلوم کر سکتا ہے اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ اس طریق سے خدا کو دیکھ بھی سکتا ہے۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مراد اس کی صفات ہیں۔"

"تو خدا تعالیٰ کی صفات اپنے اندر پیدا کرنا معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کیونکہ جب تک انسان ایک قسم کا ربّ نہ ہو ایک قسم کا رحمٰن نہ ہو ایک قسم کا رحیم نہ ہو مہیمن نہ ہو۔ ستّار نہ ہو۔ غفّار نہ ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا مظہر انسان نہیں ہو سکتا...... کامل انسان وہی ہوگا اور وہی عارف ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کو جو بندہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اپنے اندر پیدا کرے......"

(عرفان الٰہی صفحہ ۲۷-۲۸)

عربی منظوم کلام

لَكَ الْحَمْدُ يَا تُرْسِيْ وَحِرْزِيْ وَجَوْسَقِيْ ∴ بِحَمْدِكَ يُرْوٰى كُلُّ مَنْ كَانَ يَسْتَقِيْ

اے میری پناہ اور میرے قلعہ! تیری تعریف ہو۔ تیری تعریف سے ہر ایک شخص جو پانی چاہتا ہو سیراب ہو جاتا ہے

بِذِكْرِكَ يَجْرِيْ كُلُّ قَلْبٍ قَدِ اعْتَقٰى ∴ بِحُبِّكَ يَحْيٰى كُلُّ مَيْتٍ مُمَزَّقِ

تیرے ذکر کے ساتھ ہر ایک دل ٹھہرا ہوا جاری ہو جاتا ہے اور تیری محبت کے ساتھ ہر ایک مُردہ زندہ ہو جاتا ہے

وَبِاسْمِكَ يُحْفَظُ كُلُّ نَفْسٍ مِّنَ الرَّدَا ∴ وَفَضْلُكَ يُنْجِيْ كُلَّ مَنْ كَانَ يُرْبَقِ

اور تیرے نام کے ساتھ ہر ایک شخص ہلاکت سے بچتا ہے اور تیرا فضل ہر ایک قیدی کو رہائی بخشتا ہے

وَمَا الْخَيْرُ اِلَّا فِيْكَ يَا خَالِقَ الْوَرٰى ∴ وَمَا الْكَهْفُ اِلَّا اَنْتَ يَا مُتَّكَا التُّقِيْ

اور تمام نیکی تیری طرف سے ہے۔ اے جہان آفرین! اور تو ہی پرہیزگاروں کی پناہ ہے

وَتَعْنُوْ لَكَ الْاَفْلَاكُ خَوْفًا وَهَيْبَةً ∴ وَتَجْرِيْ دُمُوْعُ الرَّاسِيَاتِ وَتَثْبُقُ

اور تیرے آگے خوفزدہ ہو کر آسمان جھکے ہوئے ہیں اور پہاڑوں کے آنسو جاری اور رواں ہیں

وَلَيْسَ لِقَلْبِيْ يَا حَفِيْظِيْ وَمَلْجَائِيْ ∴ سِوَاكَ مُرِيْحٌ عِنْدَ وَقْتِ التَّاَزُّقِ

اور میرے دل کے لئے۔ اے میرے نگہبان اور پناہ! کوئی دوسرا آرام پہنچانے والا نہیں جب تنگی وارد ہو

يَمِيْلُ الْوَرٰى عِنْدَ الْكُرُوْبِ اِلَى الْوَرٰى ∴ وَاَنْتَ لَنَا كَهْفٌ كَبَيْتٍ مُسَرْدَقِ

دُکھ کے وقت خلقت خلقت کی طرف توجہ کرتی ہے اور تُو ہمارے لئے ایسی پناہ ہے جیسے نہایت مضبوط گھر

(حجۃ اللہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۲۲۴)

فارسی منظوم کلام

حمد و شکر آں خدائے کردگار　　٭　　کز وجودش ہر وجودے آشکار

اس خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے۔ جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا

ایں جہاں آئینہ دارِ روئے او　　٭　　ذرّہ ذرّہ رہ نماید سوئے او

یہ جہان اس کے چہرے کے لئے آئینہ کی طرح ہے ذرّہ ذرّہ اسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے

کرد در آئینۂ ارض و سما　　٭　　آں رخِ بے مثل خود جلوہ نما

اس نے زمین و آسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلایا

ہر گیاہے عارفِ بنگاہِ او　　٭　　دستِ ہر شاخے نماید راہِ او

گھاس کا ہر پتّہ اس کے کون و مکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اسی کا راستہ دکھاتی ہے

نورِ مہر و مہ زفیضِ نورِ اوست　　٭　　ہر ظہورے تابعِ منشورِ اوست

چاند اور سورج کی روشنی اُسی کے نور کا فیضان ہے ہر چیز کا ظہور اسی کے شاہی فرمان کے ماتحت ہوتا ہے

مطلبِ ہر دل جمالِ روئے اوست　　٭　　گمرہے گر ہست بہرِ کوئے اوست

اسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اور کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اسی کے کوچہ کی تلاش میں ہے

مہر و ماہ و انجم و خاک آفرید　　٭　　صد ہزاراں کرد صنعتہا پدید

اس نے چاند سورج ستارے اور زمین کو پیدا کیا۔ اور لاکھوں صنعتیں ظاہر کر دیں

(ضیاء الحق۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۲۵۱)

حضرت اقدس مسیح موعود...... کے لباس کے بارہ میں

ایک ضروری وضاحت

ماہنامہ انصاراللہ مئی ۱۹۹۶ء میں مکرم چوہدری احمد دین صاحب فیصل آباد کے ایک مضمون "حاجی غلام احمد صاحب آف کریام" میں ایک روایت شائع ہوئی ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود...... نے شلوار پہنی تھی یا شلوار آپ کے لباس کا حصہ تھی۔ یہ روایت درست نہیں۔ حضرت اقدس کے لباس کے بارہ میں جس قدر روایات ہیں ان میں کہیں بھی شلوار پہننے کا ذکر نہیں ملتا بلکہ تمام روایات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت اقدس لباس میں پائجامہ استعمال فرماتے۔ ممکن ہے یہ راوی پائجامہ کو شلوار سمجھے ہوں یا مضمون نگار نے اپنے بیان میں پائجامہ کو شلوار قرار دے دیا ہو۔ تاہم ادارہ اس غلطی پر اپنے قارئین سے معذرت چاہتا ہے۔ قارئین درستی فرمالیں۔

حضرت اقدس کی سیرت و سوانح میں جہاں بھی آپ کے لباس کے بارے میں روایات دی گئی ہیں ہر جگہ پائجامہ کا ذکر ہے نہ کہ شلوار کا۔ چنانچہ چند روایات تحریر ہیں:۔

سیرت حضرت مسیح موعود مؤلفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی میں (حضرت اماں جان ...... کی روایت ہے) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ...... کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت اقدس پائجامہ استعمال کرتے تھے۔ (صفحہ ۴۱ بحوالہ سیرت المہدی جلد اوّل ص ۶۶) اسی طرح حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی روایت ہے کہ حضرت اقدس سفر میں بعض اوقات تنگ پائجامہ بھی پہنتے تھے۔ (سیرت المہدی جلد اوّل ص ۲۲۳)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی...... نے حضرت اقدس کے لباس میں کھلے پائنچوں والے پائجامہ کا ذکر فرمایا ہے۔ (سیرت مسیح موعود ص ۴۳) ان روایات کے مطابق یہ امر واضح ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود...... کے لباس میں شلوار نہیں بلکہ عام پائجامہ تھا۔ (ایڈیٹر)

ایک ضروری تصحیح: ماہنامہ انصاراللہ۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء کے صفحہ ۴۰ (مضمون حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی......) میں سہواً لکھا گیا ہے کہ "حضرت اقدس مسیح موعود...... حضرت صاحبزادہ صاحب کو اپنے خطوط میں میرے پیارے دوست کے الفاظ سے مخاطب فرمایا کرتے تھے"۔ اس فقرہ کو اس طرح پڑھا جائے "حضرت اقدس مسیح موعود...... نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو اپنے خط میں "میرے پیارے دوست" کے الفاظ سے بھی مخاطب فرمایا۔" (ایڈیٹر)

قرآن مجید اور استغفار

(دوسری اور آخری قسط)

میاں عبدالقیوم صاحب۔ راولپنڈی

قرآن مجید میں توبہ و استغفار کے طریق:۔

اب یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن مجید ہمیں توبہ و استغفار کے خاص طریق اور الفاظ کیا سکھاتا ہے۔ نیز احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توبہ و استغفار کے کیا الفاظ سکھائے ہیں۔ سو خوشی کی بات ہے کہ قرآن مجید نے استغفار کرنے کے خاص طریق اور الفاظ سکھائے ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

- وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔　(البقرۃ آیت ۲۸۷)

اے ہمارے رب ہم سے درگزر کر۔ اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما کیونکہ تو ہی ہمارا آقا ہے، پس کافروں کے گروہ کے خلاف ہماری مدد کر۔

- رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔　(آل عمران ۱۷)

اے ہمارے رب ہم یقیناً ایمان لے آئے ہیں۔ اس لئے تو ہمارے قصور ہمیں معاف کر دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

- رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔　(آل عمران آیت ۱۹۴)

اے ہمارے رب ہم نے یقیناً ایک ایسے پکارنے والے کی آواز جو ایمان دینے کے لئے بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ سُنی ہے۔ پس ہم ایمان لے آئے اس لئے اے ہمارے رب تو ہمارے قصور معاف فرما اور ہماری بدیاں ہم سے مٹا دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ ملا کر وفات دے۔

- قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔　(اعراف آیت ۲۴)

ان دونوں (آدمؑ و حوّا) نے کہا۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں

نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے (تباہ ہونے والوں) میں سے ہو جائیں گے۔

- قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (اعراف:۱۵۰)

انہوں نے کہا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہمیں معاف نہ کرے گا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

- قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (اعراف: ۱۵۲)

(یہ سن کر موسیٰؑ نے) کہا اے میرے رب مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

- اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ۔ (اعراف:۱۵۶)

تو ہمارا کفیل اور دوست ہے۔ پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ اور تو بخشنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

- رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ (ابراہیم:۴۲)

اے ہمارے رب مجھے بخش دیجئو۔ اور میرے والدین کو اور مومنوں کو بھی جس دن حساب و کتاب قائم ہونے لگے۔

- رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (مومنون: ۱۱۰)

اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں میں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

- وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (مومنون:۱۱۹)

اور اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ دعا کیا کر کہ اے میرے رب معاف فرما مغفرت فرما اور تو سب سے اچھا اور بہتر رحم کرنے والا ہے۔

- رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۔ (مومن : ۸)

اے ہمارے رب ہر ایک چیز کا تُو نے رحمت اور علم سے احاطہ کیا ہوا ہے پس توبہ کرنے والوں اور اپنے راستہ پر چلنے والوں کو معاف فرما۔ اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

- رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ (حشر:۱۱)

اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

- رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا۔ (ممتحنہ : ۶)

(حضرت ابراہیم نے دعا کی) اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنا اور ہمارے قصور معاف فرما۔

- رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ (نوح : ۲۹)

(حضرت نوح ؑ نے دعا کی) اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو بھی اور ہر اس شخص کو بخش دے جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہو اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بھی بخش دے۔

مذکورہ آیات قرآنی میں مختلف مواقع کے لئے مختلف استغفار سکھائے گئے ہیں۔ تاکہ انسان حالات کے مطابق توبہ و استغفار کے وہ الفاظ چن لے جو اس وقت اس کے دل میں جوش پیدا کرتے ہوں۔ اور پھر وہ ان الفاظ میں خدا کے حضور گر جائے اور خدا کے رحم اور فضل کا طالب ہو۔

توبہ و استغفار کی قبولیت:-

امر واقعہ یہ ہے۔ کہ مذکورہ الفاظ گو بہت مبارک ہیں اور وہ ایک خوبصورت برتن کی طرح ہیں۔ اور ان کی اصل حقیقت انسانی قلب میں ہے کہ وہ کہاں تک اپنے مالک کے قدموں میں گر کر پانی بن کر بہہ رہا ہے۔ جتنا جتنا احساسِ ندامت اور احساسِ ضیاع اور احساسِ ضعف انسانی قلب پر مستولی ہوگا اسی کے مطابق ان الفاظ کے معانی اور مفہوم اور روح بدلتے جائیں گے اور پھر ان کے مطابق انسانی قلب اپنے خدا کے حضور گرنا شروع ہوگا۔ انہیں کے مطابق خشوع و خضوع ہوگا اور انہیں کے مطابق توبہ و استغفار کے وہ نتائج ظاہر ہوں گے۔ جو قرآن مجید بیان کرتا ہے۔ اگر انسان روحانی آنکھ سے اپنے نفس کو دیکھے تو اسے پتہ لگے گا کہ اس کے اعمال میں کتنے نقائص ہیں۔ خاص طور پر ان اعمال میں جنہیں وہ خدا کے حضور پیش کرنے کے قابل سمجھتا ہے۔ کہیں ان میں ریا کا کینسر ہے۔ کہیں ان میں نفس کا جوش ہے۔ کہیں ان میں نیت کا فتور ہے۔ کہیں ان میں سستی اور کسل کی بیماری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے کہ ہر روز مقررہ فرشتے انسانی اعمال صالحہ لے کر خدا کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں آسمان کے فرشتے ہر عمل کا نقص بتا کر واپس کر دیتے ہیں اور رد کر دیتے ہیں۔ یہ سن کر صحابہؓ بہت گھبرا گئے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان تمام کا علاج ایک ہی ہے کہ خدا سے ہی عاجزانہ عرض کی جائے کہ اپنے رحم و فضل سے انہیں قبول فرمائے۔

دنیا کا کوئی انسان اور آدم کی نسل کا کوئی ایک فرد بھی دعوٰی سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے اعمال ہر لحاظ سے قبول کئے جانے کے لائق ہیں۔ یہ خدا کا فضل ہی ہے جو انہیں قبول کر لیتا ہے۔ انسان کے اعمال کی مثال تو ایک چھوٹے سے کمزور بچے کے اعمال کی سی ہے۔ جو اپنی والدہ کی طرف اُفتاں و خیزاں چلتا ہے لیکن راستہ میں گر جاتا ہے۔ کہیں چوٹ لگا لیتا ہے۔ کہیں تھک کر بیٹھ جاتا ہے حالانکہ ماں سامنے بیٹھی ہوتی ہے۔ پر اسے وہ سفر بہت لمبا کٹھن اور نہ ختم ہونے والا نظر آتا ہے اور اسے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ وہ کس طرح اپنی ماں کے پاس پہنچے۔ تب وہ رونے لگ جاتا ہے۔ بچے کی اتنی سی کوشش اور پھر اس میں ناکامی کے بعد اس کا رونا اس کی ماں کے دل میں ایک جوش پیدا کر دیتا ہے۔ تب ماں تاپک کر آگے بڑھتی اور بچے کو گود میں لے لیتی ہے۔ یہی حال ایک بندے کے استغفار کرنے اور اس پر خدا کی مدد کا ہے۔

استغفار اور اُسوہ رسولؐ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قرب الٰہی کے راستوں کے سب سے زیادہ رازدان تھے وہ توبہ و استغفار کے سلسلہ میں اپنے خدا سے یوں عرض کرتے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ (بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء فی الصلوٰۃ)

اے اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور بہت ظلم کیا۔ تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں۔ پس اپنے حضور سے مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر۔ تو یقیناً بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

پھر آپؐ فرماتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ ۔ (ترمذی کتاب الدعوات جلد ۲)

اے میرے اللہ۔ مغفرت فرما۔ ڈھانپ دے اور بُرے نتائج سے محفوظ رکھ۔ میرے ان تمام اعمال کو جو میں نے آگے بھیجے ہیں یا پیچھے چھوڑے ہیں یا جو میں نے چھپائے یا جو میں نے ظاہر کئے اور یا جو میں نے زیادتی کی اور یا وہ میرے تمام اعمال جو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔

پھر حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر وقفہ وقفہ کے بعد خدا سے یوں عرض کرتے:۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ اِلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ ۔ (مشکوٰۃ المصابیح جلد ا کتاب الدعوات)

اے میرے رب مجھے بخش دے اور میری طرف رحمت سے متوجہ ہو کیونکہ تو ہی بار بار رحمت سے رجوع کرنے والا اور حد درجہ معاف کرنے والا ہے۔

پھر حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مجلس میں ستر مرتبہ یا اس سے زیادہ یہ عرض کیا کرتے :-

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ　　(بخاری جلد ۲ کتاب الدعوات)

مَیں اپنے اللہ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں اور اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

یہ چند احادیث ہی پیش کی گئی ہیں۔ لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح ہر موقعہ پر ہر قدم پر اپنے خدا کے حضور گرتی ۔ مغفرت کی درخواست کرتی اور رحم کی طالب ہوتی رہتی ۔ اسی لئے خدا کی نصرت بھی آنحضورؐ کے ہر قدم پر موسلا دھار بارش کی طرح نازل ہوتی رہتی۔ کیا ہی عجیب منظر ہے ۔ خدا کا مقدس رسول ۔ خاتم النبیین ۔ سیدِ ولدِ آدم جس کی بلندیٔ مراتب کو سمجھنا انسانی فہم وادراک سے بالا ہے ۔ وہ ہر فعل پر ۔ ہر فیصلہ پر ۔ بلکہ ہر نیت وخیال پہ خدا کے حضور گرتا ۔ اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا اور خدا کی مدد کی درخواست کرتا ہے ۔ ادھر خدائے ذوالجلال اور بلیکِ مقتدر بھی ہر آن ہر لمحہ اپنی نصرت وتائید کے غیر معمولی مناظر دکھاتا رہتا ہے ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اس زمانہ میں حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے بھی توبہ واستغفار پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔ اگر وہ ارشادات جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی ۔ اس موقعہ پہ ایک حوالہ ایسا پیش کیا جاتا ہے جس میں آپؑ خدا کے حضور استغفار کر رہے ہیں اور جو فارسی کے چند اشعار ہیں اور ذیل میں درج ہیں ۔

اے خداوندِ من گناہم بخش　　٭　　سُوئے درگاہِ خویش راہم بخش
روشنی بخش در دل وجانم　　٭　　پاک کُن از گناہِ پنہانم
دِلستانی و دلرُبائی کُن　　٭　　بہ نگاہِ کرمِ گشائی کُن
در دو عالم مرا عزیز توئی　　٭　　وآنچہ میخواہم از تُو نیز توئی

(دیباچہ براہین احمدیہ صہ
روحانی خزائن جلد اوّل ص۱۶)

حمد

اُس کی سمت ہے نہ حد
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدْ

یکّہ و تنہا ہے وہ
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ

اور سب محتاج ہیں
اس کی ذات ہے صَمَدْ

لَا کا ہے اثبات وہ
اُس کی نفی ہے نہ رَد

اُس کے در کے ہیں فقیر
چھوٹے بڑے۔ نیک و بَد

کون ہے اس کے سوا
معتبر اور مستند

حرف و صوت و لفظ اُس کے
زیر و زَبر و مَدّ و شَدّ

سارے انقلاب اُس کے
سب جذر اور سارے مَدّ

ہر حساب اُس کا حساب
ہر عدد اُس کا عدد

وقت ہے اُس کا غلام
اُس کے ازل اور اَبد

عشق اُس کا معجزہ
عقل اُس کے خال و خد

وہ ہے علیم و خبیر
مَیں ہوں ناداں نابَلد

اَے مِری جاں کی پنہَ
"اَلغِیَاثُ اَلْمَدد!"

چودھری محمد علی

"سراپا محبت واخلاص" حضرت سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی ... کی

آپ بیتی

حضرت سیٹھ عبدالرحمن صاحب ...... مدراس کے ایک مشہور تاجر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ جنہیں حضرت اقدس مسیح موعود ...... کی کتاب فتح اسلام کے ذریعہ سے حضرت اقدس کے دعویٰ مسیحیت کا علم ہوا۔ بعض اور کتب بھی مطالعہ میں آئیں۔ چنانچہ آپ کی سعید فطرت نے حق کو شناخت کر لیا اور حضرت مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری کی رفاقت میں عازم قادیان ہوئے۔ ۲۔ جنوری ۱۸۹۴ء کو قادیان پہنچے اور چند یوم بعد ۱۱۔ جنوری ۱۸۹۴ء کی شام حضرت اقدس مسیح موعود ...... کے دستِ مبارک پر ہر دو احباب نے بیعت کر لی اور آپ کے رفقاء میں شامل ہونے کی سعادت پائی۔

حضرت سیٹھ عبدالرحمن صاحب ...... کی آپ بیتی سے قبل اس تعلق محبت کا ذکر ضروری ہے۔ جو آپ کے اور حضرت اقدس کے مابین تھا۔ جو مکتوبات حضرت اقدس نے آپ کو تحریر فرمائے ان میں آپ کو دئیے گئے القاب اور طرز تخاطب سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ امام آخر الزمان کی تحریرات کس طور جذبہ محبت کو ظاہر کرتی ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں اس طرح مخاطب فرماتے ہیں:۔

"مشفق مکرمی ہمارے بہادر پہلوان حاجی سیٹھ عبدالرحمن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ"

ایک دوسرے مکتوب کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:۔

"مخلص و محبّ یک رنگ حاجی سیٹھ اللہ رکھا عبدالرحمن سلمہ۔

ایک اور مکتوب میں "مخدومی مکرم اخویم سراپا محبت و اخلاص" جیسے محبت بھرے الفاظ سے مخاطب فرمایا گیا۔

حضرت سیٹھ عبدالرحمن صاحب کے لئے محبت کے ان القاب کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس .... کے چند مکتوبات کا مضمون آپ کی بلندی مرتبہ پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے تحریر فرمایا:۔

"کل بذریعہ تار مبلغ یکصد روپیہ مرسلہ آنمکرم مجھ کو پہنچ گئے ہیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء و احسن الیکم فی الدنیا و العقبیٰ۔ یہ ایک الطاف رحمانیہ ہے اور قبولیت خدمت کی نشانی ہے

کہ آپ کی خدماتِ مالی سے اکثر پیش از وقت مجھ کو خبر دی جاتی ہے .....“

(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ حصہ اوّل ص۴)

ایک اور مکتوب میں فرمایا :-

”جس قدر آپ اس محبت کے جوش سے جو بندگانِ خدا کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ہوتے ہیں خدمت مالی کر رہے ہیں اس کے عوض ہماری یہی دعا ہے کہ خداوند کریم ورحیم آپ کو دنیا و آخرت میں لازوال رحمتوں سے مالا مال کرے اور ہر ایک امتحان اور ابتلاء سے بچاوے۔ آمین ثم آمین　　(ایضاً ص۴)

پھر ایک خط میں فرماتے ہیں :-

”اس روپیہ کے پہنچنے سے تخمیناً سات گھنٹے پہلے مجھ کو خدائے عزوجل نے اس کی اطلاع دے دی۔ سو آپ کی خدمت کے لئے یہ اجر کافی ہے کہ خدا تعالیٰ آپ سے راضی ہے۔ اس کی رضا کے بعد اگر تمام جہان ریزہ ریزہ ہو جائے تو کچھ پرواہ نہیں یہ کشف اور الہام آپ ہی کے بارہ میں مجھ کو دو دفعہ ہوا ہے۔ فالحمد للہ الحمد للہ۔

(ایضاً ص۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکتوبات سے اس محبت اور تعلق کا اظہار بھی ہوتا ہے جو آپ کے لئے حضور کے دل میں تھا۔ چنانچہ ایک خط میں فرماتے ہیں :-

”..... اللہ جل شانہٗ آنمکرم کو للّٰہی خدمات کا دونوں جہان میں اجر بخشے اور آپ کو محبت میں ... ترقیات عطا فرماوے اور آپ کے ساتھ ہو۔ میں آپ سے دلی محبت رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنی کسی کتاب میں محض بھائیوں کے دعا کے لئے آنمکرم کی دینی خدمات کا کچھ حال لکھوں کیونکہ اس میں دوسروں کو نمونہ ہاتھ آتا ہے .....“

(ایضاً ص۶)

پھر ایک مکتوب میں تحریر فرمایا :-

”الحمد للہ والمنت آپ میں .... اخلاص اور صدق کا رنگ پایا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کا نگہبان ہو اور تمام مکروہات سے آپ کو محفوظ رکھے۔ ......“　　(ایضاً ص۷)

پھر ایک مکتوب میں فرمایا :-

"....... مَیں چند روز سے بعارضہ درد پہلو اور تپ اور کھانسی بیمار ہوں اور آپ کی نہایت محبت اس خط کے لکھنے کا موجب ہوئی۔ ورنہ میں اپنے ہاتھ سے بباعث ضعف کے خط نہیں لکھ سکتا..... " (ایضاً صہ ۹)

اسی طرح ایک خط میں تحریر فرمایا:۔

"...... انشاء اللہ سفر سے واپس آکر برابر چالیس روز تک دعا کروں گا۔ اور امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حالت پر رحم فرما دے۔ آپ حمایت سلسلہ میں ایسے سرگرم ہیں کہ دل و جان سے آپ کے لئے دعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے آپ تسلی رکھیں کہ بہت ہی توجہ سے آپ کے لئے دعا کی جاتی ہے......" (ایضاً صہ)

ایک مکتوب میں فرمایا:۔

"....... آپ کے لئے میرے دل میں عجیب جوش تضرع اور دعا ہے اگر عمیق مصالح جس کا علم بشر کو نہیں ملتا توقف کو نہ چاہتیں تو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید تھی کہ اس قدر توقف ظہور میں نہ آتا۔ بہر حال مَیں آپ کی بلاؤں کے رفع کے لئے ایسا کھڑا ہوں جیسا کوئی شخص لڑائی میں کھڑا ہوتا ہے۔ خداداد قوتِ استقلال اور ثابت قدمی اور صدق اور یقین ہتھیاروں سے اور عقد ہمت کی پیش قدمی سے اس میدان میں خدا تعالیٰ سے کامیابی چاہتا ہوں ...... آپ کو وہ اخلاص بخشا ہے کہ جو وفادار جاں نثار جوانمرد میں ہوتا ہے۔ مَیں نے پہلے بھی لکھا تھا کہ بوجہ اس کے کہ آپ ہر وقت مالی امداد میں مشغول رہتے ہیں۔ اس لئے ایسے چندوں سے آپ مستثنیٰ ہیں۔ آپ کا بہت چندہ پہنچ چکا ہے۔" (ایضاً صہ ۲۴)

حضور علیہ السلام کو آپ سے کیسا تعلق اور کیسی محبت تھی اس کا اظہار مندرجہ ذیل دو خطوط سے بھی ہوتا ہے۔

۱۔ "ایک دفعہ شدت بیماری سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آخری دم ہے۔ ان حالات میں بھی آپ کے لئے دعا کرتا رہا۔"

۲۔ "..... میرے گھر میں جو ایام اُمید تھے ..... ہولناک حالت پیدا ہو گئی۔ یعنی بدن تمام سرد ہو گیا اور ضعف کمال کو پہنچا اور غشی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس وقت مَیں نے خیال کیا کہ شاید اب اس وقت یہ عاجزہ اس فانی دنیا کو الوداع کہتی ہے۔ بچوں کی سخت دردناک حالت تھی اور دوسرے گھر میں رہنے والی عورتیں اور ان کی والدہ تمام مردہ کی طرح اور نیم جان تھے....

اسی حالت میں ان کا آخری دم خیال کر کے اور پھر خدا کی قدرت کو مظہر العجائب یقین کر کے ان کی صحت کے لئے میں نے دعا کی۔ یک دفعہ حالت بدل گئی اور الہام ہوا تحویل الموت یعنی ہم نے موت کو ٹال دیا اور بدن پھر گرم ہو گیا اور حواس قائم ہو گئے اور لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام مبارک احمد رکھا گیا۔ اس تنگی اور گھبراہٹ کی حالت میں میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کے لئے بھی ساتھ دعا کروں۔ چنانچہ کئی دفعہ دعا کی گئی......" (ایضاً ص ۲۶)

نمونہ کے طور پر چند مکتوبات کے وہ حصے دیئے گئے ہیں جو حضرت اقدس کی محبت اور پیار کے اس تعلق کو ظاہر کرتے ہیں جو حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب ...... کے ساتھ آپ کو تھا۔

حضرت اقدس نے آپ کو صدر انجمن احمدیہ کا ٹرسٹی بھی مقرر فرمایا اور آپ اپنی وفات تک مسلسل صدر انجمن احمدیہ کے ممبر رہے۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی...... نے اسی مبارک وجود کی آپ بیتی جو حضرت اقدس کے ارشاد پر آپ نے تحریر فرمائی اسے شائع کیا جو ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے۔ (ایڈیٹر)

آپ بیتی

حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب...... کے نام کے مکتوبات کے بعد میں اس مضمون کو درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جو سیٹھ صاحب نے حضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود...... کے ارشاد عالی کے ماتحت لکھا تھا اور حضرت مسیح موعود...... نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے الحکم میں چھاپ دوں۔ چنانچہ وہ الحکم میں چھپ گیا تھا۔ حضرت سیٹھ صاحب کی اس یادگار کے ساتھ اس کا اندراج بہت ضروری ہے۔

"حضور اقدس امام ہمام...! اس ناچیز..... کی ابتدائی عمر میں سے قسم قسم کے لوگوں سے ملاقات رہی ہے مگر جس گروہ کے ساتھ جب ملاقات ہوئی ابتدا تو ایک دلی جوش سے ہوا کرتی تھی۔ اور اس ناچیز کو بڑی محبت اس سے رہا کرتی۔ لیکن جب کبھی کسی قسم کی کوئی منافقانہ حرکت ایسے ملاقاتی سے مشاہدہ میں آتی تو میرا دل رنج و غم سے بھر جاتا اور سخت صدمہ پہنچتا۔ میری صحبت اور ملاقات زیادہ تر اور خصوصیت کے ساتھ علماء اور صلحاء سے رہتی اور بجائے خود میں تقویٰ اور طہارت کو بھی فی الجملہ پسند کرتا تھا۔ چنانچہ میری ابتدائی عمر کی ایک کیفیت یہ ہے کہ ایک بزرگ وہ خراسانی تھے۔ بنگلور کے قریب ایک مقام میں جس کو لالگ کہتے ہیں سکونت رکھتے تھے۔ اور ان کا نام دودو میاں تھا۔ چونکہ خراسانی گھوڑوں کے سوداگر وہاں قیام کرتے تھے اور سرکاری کے گھوڑوں کی خریداری بھی وہاں ہوا ہی کرتی تھی۔ اس لئے ان کا قیام اسی جگہ رہتا تھا اور کبھی کبھی بنگلور بھی آجایا کرتے تھے۔ ایک تو جوان خوش رُو اور تقویٰ اور پرہیزگاری میں کامل تھے اور اس وقت ان کا سن بھی کوئی پچاس کے قریب ہوگا۔ مگر قرأت بہت ہی اچھی پڑھتے تھے اور

بڑے ہی خوش الحان تھے۔ جب کبھی ان کا آنا بنگلور میں ہوتا تھا تو جامع مسجد میں آکر فروکش ہوا کرتے تھے اور اس ناچیز کے وقت کا ایک حصّہ اسی مسجد میں گزرتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ مولوی دو دو میاں صاحب نے نماز عشاء پڑھوائی اور یہ گویا ان کی قرأت اور خوش الحانی پر مطلع ہونے کا پہلا اتفاق ہوا۔ جوں جوں نماز پڑھتا تھا اور ساتھ ساتھ طبیعت کو ان کی طرف میلان ہوتا گیا اور پھر تو میرے وقت کا کچھ کچھ حصہ ان کی صحبت میں ہی گزرتا رہا۔ چونکہ وہ بزرگ نہایت درجہ کے متقی پارسا تہجد گزار اور منکسر المزاج تھے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں ایک لذّت بھی محسوس ہوتی تھی بایں سبب ان پر میرا حُسنِ ظن بڑھتا گیا۔ اور اکثر وہ ہمارے ہاں بھی مہمان رہتے جب تک ان کا قیام ہوتا۔ چونکہ اس ناچیز کے والدین خدا ان کو مغفرت کرے۔ اس بات کو نہایت عزیز رکھتے تھے تو میرے لئے یہ بات بہت آسان ہو جاتی تھی کہ جب کبھی کوئی عالم یا کوئی اعلیٰ درجہ کے آدمی وہاں آجاتے تو ہر گز ہمارے مہمان ہوئے بغیر رخصت نہ ہوتے تھے اور یہ اس زمانہ کا ذکر ہے کہ اس ناچیز کو کاروبار دنیا سے کچھ معلوم نہ تھا مسجد اور مدرسہ اور کبھی کبھی اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیل تماشہ سیر کرنے میں بھی وقت گزرتا تھا۔ غرض جیسا کہ والدین کی عادت ہوا کرتی تھی بڑے دنوں یعنی مشہور تہواروں میں لڑکوں کو کچھ دے دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ عیدین وغیرہ کو اور ایسا ہی بعض دوسرے رشتہ دار بھی ایسے موقعوں پر کچھ نہ کچھ نقدی بطور عیدی دے دیا کرتے ہیں۔ تو اس ناچیز کے پاس ایسی تقریبوں کے جمع کئے ہوئے کوئی دس بارہ روپے تھے اور اس کو بڑی احتیاط سے اپنے پاس رکھتا تھا۔ یعنی کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ مَیں خاص اپنے صندوق میں رکھا کرتا تھا۔ غرض ایک وقت مولوی صاحب مذکور حسب عادت تشریف لائے اور مَیں ان کو کھانا کھلانے کے واسطے مکان پر لے گیا۔ چونکہ وہ کوئی وقت کھانے کا نہ تھا۔ تاہم میری والدہ نے جھٹ پٹ تھوڑی روٹی اور سالن تیار کر لیا اور بہت جلد مولوی صاحب کے رُوبرو پیش کیا۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت ان کو اشتہا بھی زیادہ تھی .... کھانا کھانے کے بعد۔

دعائے خیر معمول سے زیادہ ان سے صادر ہوئی اور ان کی حالت ظاہری سے کچھ ایسا بھی محسوس ہوتا تھا۔ کہ ان کو کچھ اور بھی احتیاج ہے اور مَیں نے وہ مبلغ جو اس عمر تک جمع کیا ہوا تھا تمام دکمال مولوی صاحب کے نذر کر دیا اور شاید آج تک اس کی کسی کو خبر نہیں ہے۔ اور مجھے یہ واقعہ اب تک اچھی طرح یاد ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب بہت ہی محبت اور شفقت فرماتے رہے۔ اور چونکہ صوفی منش بھی تھے کچھ کچھ ذکر اور اوراد مجھے سکھلانے لگے۔ اور مَیں بھی ان کی ہدایت بموجب کرتا رہا۔ چنانچہ ان کی لکھوائی ہوئی ادعیہ

میں سے ایک ابھی تک میرا دستور العمل ہے ۔ لیکن بعد اس کے بہت جلد میری شادی ہوئی ۔ میری عمر کا شاید چودھواں سال ہوگا جو میری یہ تقریب ہوئی اور میری حالت اس وقت تک یہ تھی کہ میں اسکی غرض وغیرہ سے بالکل ناآشنا تھا ۔ یعنی کچھ بھی خبر نہ تھی کہ شادی سے غرض کیا ہوتی ہے ۔ غرض بعد شادی کے بھی مجھے زیادہ انس مسجد اور اچھے لوگوں کی صحبت سے رہی ۔ اگرچہ ایک حد تک دوکانداری بعد شادی کے ضروری امر ہوگیا مگر میں اس کے واسطے کچھ نہیں کرتا تھا ۔ میری بیوی اس وقت کبھی میرے پاس رہتی تھی کبھی میکے میں گزارتی تھی ۔ اکثر عادت ایسی تھی کہ ایک ہفتہ یہاں اور ایک ہفتہ وہاں ان کا گزرتا تھا ۔ مگر میری یہ حالت رہتی تھی کہ جب وہ میکے میں ہوتی تھیں تو میں بڑا خوش رہتا تھا ۔ چونکہ کمرہ خالی ہوتا اور میں مصلّے پر ہی صبح کرتا تھا ۔ اس لئے مجھے اس تنہائی میں ایک خاص لُطف معلوم ہوتا تھا ۔ میرے سسرال کو چند روز کے لئے سفر درپیش آیا اور انہوں نے میری بی بی کو ساتھ لے جانا چاہا ۔ اور میرے والدین سے اس امر کی درخواست کی اور ان کو یہ بات ناپسند تھی ۔ مگر میری خواہش تھی کہ اگر یہ اجازت دے دیں تو مجھے ایک عرصہ تک تنہائی میسّر رہے گی ۔ غرض ایسا ہی ہوا اور مجھے تنہائی میسّر ہوگئی ۔ اور میں اس تنہائی میں اپنے شغل میں لگا رہتا تھا ۔ اور کچھ کچھ باطنی صفائی بھی مجھے محسوس ہوتی تھی ۔ اور اچھے اچھے خواب بھی آتے تھے ۔ دیوان حافظ وغیرہ ایسی کتابوں کے ساتھ مجھے خاص رغبت رہتی تھی ۔ اور میں وہ دن بڑی خوشی اور ذوق کے ساتھ گزارتا تھا ۔ غرض جیسا کہ میں اُوپر لکھ آیا ہوں ۔ یعنی دو تین سال میرے اسی طرح گزرے اور اس کے بعد میرے چھوٹے بھائی ذکریا مرحوم کی شادی کی ٹھہری اور میرے والد اس سے محبت کیا کرتے تھے ۔ اور اس کو بہت ہی چاہتے تھے ۔ کیونکہ جیسے وہ کمال درجہ کے شکیل تھے ویسے ہی ذکی الطبع بھی تھے ۔ پس ان کی شادی اس وقت کے رسم و رواج کے موافق بڑی دھوم دھام سے ہوئی ۔ جب اس شادی سے فراغت پا چکے تو انہوں نے حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا ۔ اور اس اثنا میں ہماری دکان مدراس میں الگ شروع ہوگئی ۔ جو اس سے پیشتر چند شرکاؤں میں چلتی تھی ۔ اب سب شرکاء نے اپنی اپنی جُدا جُدا دکانیں کھول کر مشترکہ دکان کو بند کر دیا اس مشترکہ دکان میں چار شریک تھے جن کی اب چار دکانیں ہوگئیں ۔ والد مرحوم نے مجھ کو اور ذکریا مرحوم کو یہاں چھوڑا اور باقی سب کو ہمراہ لے کر بیت اللہ شریف کو راہی ہوگئے ۔ اور یہاں دو بھائی ہم اور دو ہمارے چچازاد بھائی تھے جو بڑی عمر کے تھے اور معاملہ فہم تھے ۔ مگر ہم دونوں بھائی کم سن اور نوآموز ۔ غرض والد صاحب کے تشریف فرما ہونے کے بعد چھوٹا بھائی ذکریا مدراس کو اپنی خاص دکان پر روانہ کیا گیا ۔ چونکہ وہ میرے سے زیادہ معاملہ فہم اور طبیعت کا ہر طرح سے تیز تھا ۔ اس لئے میرے بڑے بھائی نے ان کو وہاں روانہ کر دیا اور میرے دوسرے چچازاد بھائی کو الگ دکان

پر بٹھایا اور اپنے تئیں مجھے بڑی دکان کے لئے تجویز فرمایا۔ اور بعد اس کے خود بھی جلد کسی کام کے پیش آنے سے مدراس روانہ ہو گئے اور مَیں اکیلا یہاں دکان پر رہ گیا۔ اور اس وقت تک مَیں گویا ایک آزاد زندگی بسر کرتا تھا۔ اور اب پابند ہو گیا۔ اس لئے اب کچھ کچھ بوجھ معاملہ کا اور خانہ داری کا محسوس ہونے لگا۔ چونکہ ابتدا سے ہمارے چچازاد بھائیوں کا کھانا پینا الگ ہی تھا۔ معاملہ شرکت کا تھا۔ غرض ہر ایک قسم کی آزمائش ہونے لگی۔ اور بہت جلد طبیعت آئندہ کے لئے ہوشیار ہو چلی۔ تجارت پیشہ میں بھی ایک شمار ہونے لگا۔ اور کچھ عزت اور وقار دار نظر سے ابنائے جنس میں دیکھا جانے لگا۔ اور بمصداق ؎

تکیہ بر جائے بزرگان نتواں زد بگزاف ؎ مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

ہر ایک موقعہ اور محل کا فہم گویا خدا سے ہی ملنے لگ گیا۔ اور کوئی ایک برس کے بعد مدراس جانے کی نوبت پیش آگئی۔ والد مرحوم کا بعد حج شاید دوسرے یا تیسرے دن مکہ معظمہ میں انتقال ہو گیا۔ اور بڑا سخت صدمہ اس حادثہ سے دل کو پہنچا۔ جس کو یہ عاجز اب تک نہیں بھولا۔ غرض اس حادثہ جانکاہ کے بعد میرا بھائی بنگلور آگیا اور مجھے وہاں جانا پڑا۔ بعد پہنچنے کے میرے چچازاد بڑے بھائی جو وہاں موجود تھے صرف دو یا تین دن رہے اور بنگلور کو روانہ ہو گئے۔ ان کی اس حرکت سے سخت حیرانی ہو گئی۔ یعنی ایک تو مَیں بالکل نیا اور پھر ہر ایک طرح سے نوآموز دفتر وغیرہ لکھنے کی بالکل تمیز نہ تھی۔ اور نہ کسی اہل معاملہ سے شناسائی کروائی اور نہ کچھ زبان سے کہا اور کیا تو یہ کیا کہ چلنے پر آمادہ ہو گئے اور یہاں مجھے گویا قیامت کا سامنا ہو گیا۔ ہزاروں کا لین دین اور کچھ بھی ندارد۔ مگر کیا ہو سکتا تھا۔ بجز اس کے کہ قہر درویش برجان درویش۔ کبھی تو گھبرا کر رو پڑتا تھا اور کبھی دفتروں کو پاس رکھ کر ساری ساری رات غور کیا کرتا تھا۔ اس وقت ایک مدراسی مسلمان ہمارے کام میں تھے۔ جن کو کام وکاج میں کچھ تجربہ تھا۔ ان سے مجھے مدد ملتی رہی۔ غرض یہ کہ ان سب باتوں پر مَیں بہت جلدی حاوی ہو گیا اور پھر معاملہ کے متعلق بھی شوق ہو چلا۔

یا امام ہمام ...... میرا اس قدر طوالت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کرنے سے مدعا یہ ہے کہ یہ گویا میری ابتدائی عمر کا ایک ثلث ہے جس کو آج مَیں یاد کرتا ہوں۔ تو میرے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ وہ کیا ہی مبارک حصہ زندگی کا تھا جس میں ہر ایک قسم کی خیر و خوبی جمع تھی۔ تجارت ایک محدود دائرہ کے اندر چلتی تھی۔ اکثر اسباب بمبئی سے آیا کرتا تھا۔ بمبئی سے بنگلور شاید اڑھائی اور تین مہینے کے اندر اسباب پہنچتا تھا۔ اور جب پہنچتا تھا تو ایک دم ہی تیس چالیس گاڑیوں میں کئی تاجروں کا مال آجاتا تھا۔ گویا ایک قافلہ کی حیثیت ہوتی تھی۔ اور اس اسباب کے آنے سے جو رونق بازار کی ہوتی تھی اس کا نقشہ ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ غرض بیس سے لے کر چالیس فیصدی کے قریب نفع پر وہاں کے چھوٹے چھوٹے بیوپاری مال

خرید لیتے تھے۔ اور چار سے چھ قسط میں روپیہ ادا کرنے کی شرط ہوتی تھی اور اس طرح پر سال میں بیس ہزار کے قریب قریب ہماری تجارت رہتی تھی۔ اور سال میں آٹھ مہینے راستہ کھلا رہتا تھا۔ اور چار مہینے بند یعنی موسم کے مخالف ہونے کی وجہ سے جہاز رانی موقوف رہتی تھی۔ یہ گویا معاش کا ذریعہ اور اس وقت کی تجارت کی حالت تھی۔ اب رہا دوسرا پہلو یعنی خانہ داری کا۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ہمارے والد اور چچا نے زندگی تک رفاقت کی۔ رہائش اور تجارت میں اس وقت شاید پچیس کے قریب آدمی ہمارے کنبے میں ہوں گے جو ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ کوئی تین روپیہ ماہوار کرایہ کا مکان تھا جس میں اچھی طرح سے اوقات بسری ہوتی تھی۔ میرے چچا شاید تین روپیہ اور میرے والد پندرہ روپیہ ماہوار خرچ کے لئے اٹھایا کرتے تھے۔ ہر ایک چیز ارزاں تھی۔ گھی کی شاید دو سوا دو روپیہ فی من قیمت تھی اور عمدہ سے عمدہ چاول کی قیمت پونے دو سے دو روپیہ تک فی بستہ تھی۔ علیٰ ہذا القیاس ہر ایک خوردنی چیز کا یہ حال تھا اور اس زمانہ میں جو لذیذ اور لطیف غذاؤں کا استعمال ہوا کرتا تھا آج اس کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ ہمدردی اپنے اور بیگانے سے ایسی تھی کہ شادی اور غمی دونوں پہلوؤں کا اثر صاحب خانہ کے برابر دوسروں پہ ہوتا تھا۔ خیراتی کاموں کی نگرانی صدق اور اخلاق اور محبت سے ہوا کرتی تھی۔ بدستور فقرا اور علماء میں سیر چشمی نظر آتی تھی اور طالب ضرور ایک حد تک مستفیض ہو جاتے تھے۔ ادنیٰ درجہ کا آدمی یعنی ایک دو روپیہ کا معاش رکھنے والا بھی خرم و خنداں نظر آتا تھا۔ مروت محبت، صدق، اخلاق حیا۔ شرم۔ حفظ مراتب۔ ہمدردی ہر ایک قسم کے لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ گویا آسمان سے خیر و برکت کی بارش برس رہی تھی۔ علی العموم جمعیت خاطر کے آثار نظر آتے تھے۔ اور ابھی تک گویا وہ منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کے بعد عمر کا دوسرا ثلث ہے جس کی نسبت جی نہیں چاہتا کہ کچھ لکھوں۔ صرف اس قدر اشارہ کافی سمجھتا ہوں کہ بتدریج اس ابتدائی حصہ کی خوبیاں جن کو میں نمونے کے طور پر لکھ آیا ہوں رو بہ کمی ہوتی گئیں اور آخر حصہ میں وہ سب کی سب کافور ہو گئیں۔ اور ان کی جگہ ناگفتہ بہ باتوں کا مجموعہ اپنے اندر جمع ہو گیا۔ اور صحبت اور مجلس بھی ویسی رہتی تھی۔ غرض جب تیسرے حصہ کا آغاز ہونے لگا شاید عمر بھی چالیس سے متجاوز ہو گئی تو کچھ کچھ آنکھ کھلنے لگی۔ گو کسی قدر حالات وہی دوسرے حصے کے باقی اور قائم رہ گئے۔ صرف اتنا فرق پیدا ہوا کہ اپنی حالت کو غور سے دیکھنے لگ گیا۔ اور اچھے اور برے میں تمیز ہونے لگ گئی۔ والدین وغیرہ تو گویا سر پر سے اٹھ گئے تھے۔ اب نوبت اپنے ہم نشینوں کی آئی جو کسی قدر معمر تھے۔ وہ بھی باری باری اٹھنے لگے اور عبرتناک حالات بھی پیش ہونے لگے۔ کچھ تو اپنی نالائق زندگی کا غم اور تغیرات زمانہ کا رنگ دل کو پکڑتا گیا۔ مروت محبت اپنے بیگانے سے اٹھنے

لگی۔ دوست دشمن سے بدتر نظر آنے لگے۔ گھر کی بات بگڑنے لگی۔ ہم آٹھ بھائی تھے۔ چھ حقیقی اور دو چچازاد اور پھر سب باعیال و اطفال بلکہ بھتیجے تک صاحب عیال و اطفال۔ سب مل ملا کر کوئی پچاس آدمی کا مجموعہ تھا۔ مگر سب کے سب مل کر اچھی طرح گزارتے تھے۔ کوئی کسی کا بارِ خاطر نہ تھا اور کسی کو کسی کے خرچ کرنا گراں نہیں گزرتا تھا۔ چچازاد گویا حقیقی بھائیوں سے زیادہ عزیز تھے۔ مگر اب اس میں بھی فرق آنے لگا۔ اور ایک دوسرے کے درپے ہو گیا۔ اتفاق کی صورت میں فرق آتا گیا، گو چندے بات سنبھلی رہی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس عاجز کا رُعب سب گھر والوں پر تھا۔ کسی کو کسی قسم کی سبقت کی جراُت نہ ہو سکتی تھی۔ مگر چونکہ صورتِ اتفاق میں فرق آگیا تھا۔ اس لئے زندگی بے لطف سی ہو گئی۔ اور پھر علیحدہ ہونے کی نوبت آپہنچی۔ اور سب کے سب یکے بعد دیگرے الگ ہو گئے۔ صرف ایک میرا بھائی زکریا میرے ساتھ رہا۔ اور کارخانہ بھی ہمارے ہی سر پڑا۔ کوئی دس برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ میں قسم قسم کی ابتلاؤں میں پڑا۔ اور کوئی پہلو زمانہ کا ایسا نہ رہا جس سے مجھ کو سابقہ نہ پڑا ہو۔ اور ہر ایک پہلو پر تغیرات کُلی کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اور ساتھ اس کے میری زبان پر اس کا شکوہ اور گلہ بھی رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے بعض دوستوں کو بعض کاموں سے روکا۔ جو بظاہر اس وقت ان کے لئے مفید تھے مگر درحقیقت میری نظر میں جو اس حالت سے گزر کر خوفناک اور مضر ہو گئے تھے۔ غرض انہوں نے میری بات نہ سُنی اور خرابیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اور اکثر اب تک میں ایسا ہی دیکھتا آیا ہوں یعنی جس پہلو کو کچھ مدت پہلے جیسا میں نے تصور کیا تھا آخر وقت پر ویسا ہی ثابت ہوا اور اس سے یہ اثر میری طبیعت میں پیدا ہو گیا کہ ایک چھوٹی سی بات پر بھی زیادہ غور کرتا۔ اور ایک ادنیٰ کام کو بھی بے سوچے کرنا میری طبیعت کے خلاف ہو گیا اور ہر ایک پہلو سے زمانہ کو نازک سمجھنے لگ گیا۔ اسی عرصہ میں کچھ خسارہ بھی اٹھایا۔ اور کچھ لوگوں کے حالات کا تجربہ بھی ہو گیا۔ غرض یہ کہ جیسا کہ میں نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ ابتدائی عمر کے حصّہ کو خیر و خوبی کا مجموعہ بتایا ہے اس سے دو چند زیادہ شر و فساد کا مجموعہ اپنی عمر کے اس آخری حصہ کے زمانہ کو میں نے پایا اور اگر اس کی تفصیل لکھنے بیٹھوں تو شاید میرے ذاتی تجارب کی ایک بڑی کتاب بن جاوے۔ اور میں نے ہر ایک پہلو کو نہ فقط اپنے ہی تجربہ اور مشاہدہ پر چھوڑا بلکہ ہر ایک پہلو کے پختہ کار لوگوں کی شہادت بھی میں نے لی اور ہمیشہ ایک خوفناک حالت زمانہ میں زندگی بسر کرتا رہا۔ اور خاص کر تجارت کی حالت گذشتہ دس سال سے ایسی نازک ہوتی چلی آئی ہے کہ ہمیشہ زوال عزت و ناموس عزت کا دھڑکا دل کو لگا رہا۔ اور شاید ۱۸۹۱ء اور ۹۲ء میں دو لاکھ روپے کا خسارہ ایک ایکسچینج میں مجھے بھگتنا پڑا۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے

ٹھوکر سے بچالیا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

غرض اس کے بعد میں ہمیشہ تفکرات کے دریا میں ڈوبا رہا۔ اور زندگی گویا تلخ معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف تو معاملہ کی کچھ ایسی حالت دوسری طرف کچھ اپنی سیہ کاریاں اور تیسرا یہ کہ جس پہلو کو ایک راحت کا موجب سمجھ کر اختیار کیا جاتا تو وہاں سے بجز نفاق اور بداندیشی کے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ راحت جس کو حاصل کرنا مقصود کرنا وہ تو رہی ایک طرف باقی رنج پہلے سے دہ چند ہو گیا۔ غرض میں سچ سچ عرض کرتا ہوں کہ ایسی حالت دیکھ کر میں موت کو زندگی پر ترجیح دیتا تھا۔ اور کسی کسی وقت میں اپنی سیہ کاریوں کے تصوّر میں رو پڑتا تھا۔ اور اپنے آپ کو بدترین مخلوق سمجھتا تھا۔ اور باقی میری طبیعت میں غیر کا لحاظ ابتدائے عمر سے چلا آیا ہے وہ آخیر تک رہا۔ کسی کو بھی کسی قسم کا آزار پہنچانا میں بڑا خطرناک سمجھتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اکثر اس امر کی توفیق طلب کرتا تھا کہ وہ مجھے کسی کے آزار کا موجب نہ بنا دے۔ غرض اسی حالت میں میرے بھائی حاجی ایوب فوت ہو گئے۔ جن کا مجھے بہت رنج ہوا اور عبرت بھی ہوئی۔ ان کے بعد میرا چھوٹا بھائی ذکریا بیمار ہوا۔ وہ بڑے بھائی تو گویا الگ ہو چکے تھے مگر ذکریا میرے ساتھ تھے۔ بمبئی میں ان کی عزت ہر اک طرح سے اچھی تھی۔ تجارتی کاروبار میں ..... مالی تائید ان سے ہی ملتی تھی۔ اب ان کا بیمار ہونا دو طرح کا رنج کا باعث ہو گیا۔ جس کے سبب سے بڑی پریشانی رہا کرتی تھی اور یہ قریب قریب وہی زمانہ ہے جس میں میں نے دو لاکھ روپے کے خسارہ کا ذکر کیا ہے۔ غرض جب ان کی علالت زیادہ ہو گئی تو میں نے بنگلور میں ایک مکان خریدا۔ اور تبدیل آب و ہوا کے لئے ان کو یہاں لے آیا۔ ہر ہفتہ میں دو دن ان کے پاس رہتا اور باقی دن مدراس میں دوسرے افکار کا بوجھ جو اس وقت میرے سر تھا اس کا ذکر میں کچھ نہیں کرتا۔ بس اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ میں کہہ دوں　ع　دل من داند و من دانم و داند دل من

غرض ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ میں جمعہ کی شام کو مدراس سے چل کر ہفتہ کی صبح کو بنگلور پہنچا اور بھائی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک منشی صاحب بھی اس وقت پاس بیٹھے تھے۔ اِدھر اُدھر کی بات چیت ہو رہی تھی اور موجودہ زمانہ کی حالت زار کا ذکر ہو رہا تھا۔ اور اسی اثنا میں میرا چھوٹا بھائی محمد صالح جو ایک روز پہلے سے بنگلور آیا ہوا تھا۔ وہاں آ گیا۔ اور ایک کتاب بھی ساتھ لایا۔ اور وہ یوں کہنے لگا کہ یہ کتاب مجھے سیالکوٹ (پنجاب) سے غلام قادر فصیح نے بھیجی ہے اور قابل پڑھنے اور سننے کے ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس کو پڑھنا شروع کیا۔ اور وہ کتاب حضور اقدس کی پہلی کتاب دعویٰ مسیحیت اور مہدویت کے بعد کی تھی جس کا مبارک نام فتح اسلام ہے۔ غرض اس کتاب کے کوئی دو دو ورق

پڑھنے کے بعد میرے دل پر اس قسم کا اثر ہوا۔ میں اس کو بیان نہیں کر سکتا مگر میرے بیمار بھائی ذکریا مرحوم نے اسی وقت ایک جوش کے ساتھ باآواز بلند کہہ دیا کہ خدا کی قسم یہ بے شک وہی ہیں اور ان کا کلام اس کی پوری پوری شہادت دے رہا ہے۔ غرض ان کے اس کہنے پر میں اور وہ منشی صاحب بھی میرے ساتھ ہم آواز ہو گئے کہ بے شک یہ کلام کوئی نرالا اثر دل پہ کر رہا ہے اور پھر دیر تک اس کو سنتے رہے یہاں تک کہ اول سے آخر تک اس کو پورا سن لیا۔ اور مجھے حضور کی طرف پورا پورا یقین ہو گیا مگر مسیحیت کے دعویٰ پر کچھ تعجب سا رہا۔ اور اس کے ساتھ یہ خیال بھی رہا کہ مسیح کے لئے تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ آسمان پر موجود ہے۔ اور پھر اپنے وقت پر وہاں سے نزول فرماویں گے۔ اور کسی طرح کا اس میں اختلاف نہیں۔ غرض اس وقت یہ فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہی ہو مگر کتابیں تو سب منگوا کر دیکھنی چاہئیں اور اس طرف مرحوم بھائی کا بار بار یہ کہنا کہ یہ بے شک اپنے قول میں صادق ہیں۔ اور بہت جلد لوگوں پر یہ امر کھل جاوے گا۔ حالانکہ ان کی بہت ہی کم استعداد تھی مگر جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے بڑے ہی ذکی الطبع تھے۔ اور ان کی طبیعت ملانوں اور پیرزادوں سے ہمیشہ متنفر رہا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کبھی مجھے کسی سے ملتے ہوئے دیکھ لیتے تھے تو صاف کہہ دیتے تھے کہ آپ کو ان مکاروں سے ہمیشہ دور رہنا چاہیئے ان کی صحبت میں کبھی خیر نہیں۔ لیکن حضور اقدس کی کتاب کو سنتے ہی ان کا یقیناً قبول کر لینا ان کی کمال فراست کی پوری دلیل تھی۔ غرض میں دوسرے دن مدراس کو روانہ ہوا اور یہاں پہنچ کر سب کتابوں کے لئے خط لکھوائے اور جس کسی سے ملاقات ہوتی ان سے یہ تذکرہ کرتا اور پھر ساتھ ہی موجودہ وقت کی ہر قسم کی برائیوں کی طرف ان کی توجہ دلاتا۔ اور اس وقت تک میری نظر صرف مسلمانوں ہی تک محدود تھی یعنی ہر طبقہ کے مسلمانوں کی ہی حالت پر میری نظر تھی جس کے مشاہدے سے ہمیشہ دل کو درد پہنچتا تھا۔

جب کبھی عام مفید کام کے لئے جلسہ ہو جاتا تو پھر جو چند حضرات موجود ہو جاتے تھے ان کی صورت اور سیرت طرز گفتگو اور پھر ایک دوسرے کو باہم دیکھا جاتا۔ اس کی بابت ذکر کروں تو شاید طول ہوتا ہے۔ مگر مختصر الفاظ اس کے یہ ہیں کہ پوری پوری یہودیت ثابت ہو جاتی تھی۔ یعنی جس غرض کے لئے جلسہ کیا وہ تو ناتمام اور تمام ہو بھی کس طرح جب ایک دوسرے کی رائے کے تابع ہونے کو ایک سبکی اور ذلت کا موجب سمجھا جاتا ہو آخری جو کچھ کہ اس جلسہ سے نتیجہ حاصل ہوتا وہ یہی کہ دو چار صاحبوں میں....... تو ضرور ہمیشہ کے لئے نفاق پڑ جاتا اور باقی بھی ایک دوسرے پر ضرور کچھ نہ کچھ الزام لگائے بغیر خالی نہ رہتے۔ غرض جو صاحب یا صاحبان اس جلسہ کے بانی ہوتے ان کو بجز خفت کے کچھ حاصل نہ ہوتا اور پھر ہمیشہ کے لئے شائد دل میں عہد کر لیں کہ آئندہ کبھی ایسی بے جا حرکت نہ کریں گے۔ غرض یہ اس قسم کی مجلسیں تھیں جن

میں ہر قسم کے اور طائفہ کے لوگ جمع ہو جاتے تھے ۔ عالم ۔ مولوی خاندانی بیوپاری ۔ نوکری پیشہ ۔ زمیندار وغیرہ وغیرہ ۔ گویا سب قسم کے لوگوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور ہر ایک قسم کی طبیعتوں کا اور اخلاق کا خوب پتہ مل جاتا تھا ۔ یہ تو عام مفید کاموں کے جلسہ کا حال ہوا ۔ اب خاص خاص قسم کے لوگوں کے جلسے اور تقریبات کا حال جس کا مجھے تجربہ ہے لکھنے بیٹھوں تو بہت طول ہوتا ہے ۔ اس لئے صرف ہماری تجارت پیشہ لوگوں کا ہی مختصر حال لکھتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ سے یہ آرزو رہی کہ زیادہ نہیں صرف دو مسلمان تاجروں کے کسی تجارت کے کام میں اتفاق اور ایک دلی سے کام کرتے دیکھوں جس سے وہ نتیجہ جو اتفاق کے لئے لازمی ہے ان کو حاصل ہوا ہو ۔ لیکن یہ میری آرزو ناتمام ہی رہی ۔ یوں تو بہتوں کو اتفاق کرتے دیکھا اور انجام اس کا ایک تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بد نظر آیا ۔ کہیں تو کورٹ کچہری میں خراب ہوتے دیکھا اور کہیں ہمیشہ کے لئے عداوت اور کہیں ہمیشہ کے لئے آپس میں کمپٹیشن پڑ گیا اور دونوں کو خراب کر دیا ۔ غرض اس طرح کے بہت تجربے اور مشاہدے کے بعد میرا یہ دستور ہو گیا تھا کہ جہاں کہیں کسی امر کے متعلق بھی ہو مسلمانوں کی مجلس ہوتی تو پہلے اس مجلس میں یہ دعویٰ سے میں یہ کہہ دیتا تھا کہ مجھے ایک مدت دراز سے یہ آرزو ہے کہ مسلمان اپنی مجلس میں کامیاب ہوتے ہوئے دیکھوں ۔ مگر میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی ۔ اور میری یہ عادت مدراس تک ہی محدود نہ تھی ۔ جہاں کہیں جانے کا اتفاق ہوتا تھا ۔ یعنی بمبئی ۔ بنگلور ۔ مدراس نیلگری ہر موقعہ پہ ضرور یہ میں کہہ دیتا تھا ۔ اور پھر مخاطب بھی ہو جاتے تھے ۔ غرض مسلمانوں کے حالات اور عادات پر ہمیشہ رنج ہوتا ہی رہتا تھا ۔ یورپ کے تو اتحاد اور اتفاق کا کہنا ہی کیا ہے ۔ اکثر کام ان کے اتفاق اور شرکت اور یک دلی کی بدولت ترقی کی انتہائی نقطہ تک پہنچے ہوئے ہیں ۔ مگر اس صورت میں بھی مسلمانوں کے سوا دوسری قوموں میں پھر بھی کچھ نظر میں آ جاتا ہے چوہڑے چمار بھی اپنی بساط کے موافق کبھی نہ کبھی کسی کام میں متفق ہو جاتے ہیں مگر مسلمانوں میں اسکے برخلاف ۔ کیا عام کاموں میں اور کیا خاص میں ۔ پھر وہ دینی ہو یا دنیوی اور کسی ملک میں بھی یعنی عرب عجم ہند اور سندھ دکھن اور کوکن جہاں تک مجھے علم ہے ایک نمونہ بھی نظر نہیں آتا ۔ غرض ہر ایک موقعہ پر مسلمان بہت ہی کم نظر آتے ہیں اور اگر کسی جگہ اتفاق سے کوئی مسلمان سرکاری کام و کاج میں کوئی اعلیٰ مرتبہ پر آ جاتا ہے تو گویا اس کے لئے یہ مثال موزوں ہو جاتی ہے کہ مور ہمان بہ کہ بناشد پرش اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ غرض یہ میرے خیالات اور مشاہدے پریشان ہی نہیں بلکہ استعجاب میں بھی ڈال دیتے تھے کہ یا اللہ اسلام تو تیرا ہے مگر مسلمانوں کی حالت ایسی زار اور قابل عبرت کیوں ہو گئی ہے ۔ کوئی ایک پہلوان کا یعنی کیا عبادات اور کیا معاملات سیدھا اور حق پہ نظر نہیں آتا اور حالت ایسی ہو گئی ہے ۔ بجز تیرے فضل کے یعنی مرے

از غیب بروں آید و کارے بکند کے اور کوئی رستگاری کی صورت نظر نہیں آتی۔ غرض اسی حالت میں حضور کی کتاب فتح اسلام کو مَیں نے سُنا اور اندر کا اندر ہی مَیں باغ باغ ہو گیا۔ بالآخر خدا نے ایک کو کھڑا ہی کر دیا اور پھر اسی کو جس کا زمانہ رسول کے بعد وقتاً فوقتاً انتظار ہوتا رہا اور کئی جھوٹے مدعی بھی اس نام کے زمانہ قرب زمانہ رسول سے ہوتی آئی مگر اب تو گویا عین وقت پر اور وہ بھی اشد ضرورت کے وقت ہی آواز آئی ہے۔ سو یا اللہ تو اس آواز کو سچی اور مسلمانوں کے لئے مبارک ثابت فرما آمین۔ یہ میری اندرونی حالت تھی اور میرے مرحوم بھائی نے تو گویا باآواز بلند شہادت بھی دے دی اور الحمد للہ والمنتہ کہ خدائے تعالیٰ نے ویسا ہی ثابت کر دکھایا اور باغ اسلام میں دوبارہ گئی ہوئی بہار اور رونق آتی چلی ہے غرض اس موقع کے بعد کتابیں بھی آگئیں اور اس کے پڑھنے سے کچھ کچھ فہم بڑھتا گیا اور مدراس میں چرچا بھی ہوتا چلا۔ جو یک بیک ایک اخبار آزاد نام لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ میرزا قادیانی...... اپنے دعویٰ مسیحیت سے دستبردار ہو گئے۔ اس لئے اب پھر ان کی عزت وہی قائم رہ گئی جو اس دعویٰ کے قبل تھی۔ یہ مضمون تھا۔ عبارات میں کچھ فرق ہوگا۔ مگر اس کے پڑھنے سے میرے پر جو صدمہ گزرا اور رنج ہوا اس کو خدا ہی جانتا ہے اور ابھی تک میں اس کو بھولا نہیں غرض اس کے بعد مَیں نے جب حضور کی کتابیں ایک طرف ڈال دیں اور ایسی چالوں سے اور اُداسی میرے پر چھا گئی کہ کچھ نہیں لکھ سکتا۔ باوجود اس کے بھی ہونے سے صدہا لوگوں کو مَیں نے گویا یہ خوشخبری پہنچائی تھی اور اب گویا اس کے خلاف اخباروں میں شائع ہو گیا ہے۔ غرض اس مضمون کے دیکھنے کے بعد دوسرے یا تیسرے دن بمبئی سے میرے بھائی کا تار آیا اور مَیں روانہ ہو گیا اور وہاں اپنے ایک دوست سے افسوسناک دل سے مَیں نے یہ تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ تو اپنے دعویٰ پر قائم ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک خاص مرید یہاں آئے ہوئے ہیں اور ان کی زبانی مجھے یہ سب کچھ معلوم ہوا ہے۔ اب اس موقعہ پر مجھے جو خوشی ہوئی گویا اس رنج سے دوچند زیادہ تھی اور وہ مرید گویا ہمارے شیخ رحمت اللہ صاحب تھے۔ جن سے دوسرے روز میری ملاقات ہو گئی اور مفصل حالات بھی معلوم ہوئے اور کتاب آئینہ کمالات اسلام کی خبر پا کے انہیں کو مَیں نے جلد وی پی مدراس کے پتہ پر روانہ کرنے کے لئے فرمائش دی اور مَیں مدراس واپس گیا۔ اس وقت یہ کتابیں پہنچ گئی تھیں۔ غرض پھر اسی طرح سے مَیں اس کا چرچا کرتا رہا اور سلطان محمود صاحب اور ان کے برادر زادہ اپنی جگہ پر باہم اس بارے میں بحث کرتے تھے اور آخر وفات عیسیٰؑ پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔ اور سلطان محمود صاحب نے مجھے خط لکھا اور حضور کی کتابوں کی خواہش ظاہر کی۔ اس خط کے طرز تحریر سے یہ پتہ لگ گیا کہ حضور

کی جانب ان کا حُسنِ ظن ہے۔ غرض میرے پاس جو کتابیں موجود تھیں وہ تو بھیج دیں۔ اور آئینہ کمالات اسلام ایک مولوی کو دی تھی ان سے لینے کو لکھ دیا اور پھر میں نے ملاقات کی اور میرے سے زیادہ ان کا میلان حضور کی طرف پایا۔ اور اس وقت تک وفات عیسیٰ پر مجھے کامل یقین نہ ہوا تھا۔ .... غرض ان کا حضور کی طرف رجوع کرنا بڑی تقویت کا باعث ہو گیا۔ اور قلیل عرصہ میں ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہو گئی ہے۔ اور شہر میں زور شور کے ساتھ اس کی شہرت ہونے لگی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ان مولویوں اور ملّانوں کی اچھی طرح سے قلعی کھلنے لگی۔ اور ان کی اندرونی حالت کا پورا اظہار ہونے لگا۔ جس کی وجہ سے حضور کی طرف کمال درجہ کا یقین بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ حضور کی خدمت میں خط لکھا گیا اور جس قدر لوگ اس وقت تک اس سلسلہ میں شریک ہو گئے ہوئے تھے ان سب کے دستخط لئے گئے۔ بعد اس کے جو کچھ ان ملّانوں کا حال دیکھا وہ احادیث کے موافق تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں پہلے سے بطور پیشگوئی بتا رکھی تھیں۔ عوام میں ایک خطرناک جوش ان کے دجل اور کذب سے پھیل گیا۔ اور اب یہاں کے مسلمانوں کے اسلام کا حال ایک نئے رنگ میں ظاہر ہونے لگا۔ ضرورت امام پر میرا یقین بڑھتا گیا اور حضور کی زیارت کا شوق دن بدن بڑھنے لگا۔ اور اس فکر میں ہوا کہ کوئی رفیق مل جائے تو روانہ ہو آؤں۔ وہاں کے ایک مولوی جن سے زیادہ تعلق تھا اور جو بظاہر منافقانہ طریق پر ملتے جلتے بھی تھے مگر باطن میں پورا دشمن تھا۔ جس سے میں اب تک ناواقف تھا۔ ان کو ساتھ لانے کی صلاح ہوئی۔ وہ تو ملکھڑی کی جامع میں رہتے تھے۔ جہاں میں گاڑی پر سوار ہو کر گیا۔ اور حاجی بادشاہ صاحب کے مکان پر جو وہ بھی اندرونی احاطہ مسجد ہی میں واقع ہے ملاقات ہو گئی۔ اور مذکور بادشاہ صاحب وہاں کے ایک مشہور اور نامی تاجر ہیں۔ ان مولوی صاحب نے ہماری مخالفت اختیار کرنے کے بعد وہاں اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے۔ یہ بادشاہ صاحب بھی اگرچہ سخت مخالف تھے۔ لیکن چونکہ قدیم سے ان کے بزرگوں کے ساتھ میرا کمال درجہ کا ارتباط تھا۔ اس لئے بظاہر ان سے وہی سلوک قائم تھا اور اب تک بھی باقی ہے۔ وہاں مولوی صاحب سے میں نے کہا کہ سب سے بہتر یہی بات ہے کہ تم میرا ساتھ دو اور میں آپ کے ہر قسم کے اخراجات کا کفیل اور ذمہ دار ہوں جو کچھ امتحان کرنا ہے وہاں جا کر کیا جاوے۔ اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔ رُو برُو جا کر جو چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔ اس سے خلق کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ کیونکہ آجکل جو طوفان بدتمیزی پھیل رہا ہے اسی سے خلق اللہ کو نجات ہوگی اور میں نے آپ کو اس لئے تجویز کیا ہے کہ بظاہر آپ کے مزاج میں حق پسندی ہے اور تمہارے طالب علمی کے زمانہ سے میرا یہ حُسنِ ظن ہے۔ پس آپ تیار ہو جائیں جمعہ کے دن یہاں سے روانہ ہو جائیں گے مگر

ان کو یہ کب منظور تھا۔ ان کو مخالفت میں اس وقت صریح فائدہ نظر آرہا تھا۔ غرض انہوں نے انکار کردیا اور واپس چلا آیا۔ اسی خیال میں تھا کہ مولوی حسن علی صاحب مرحوم یاد آگئے اور وہ ان دنوں مدراس آنے والے بھی تھے۔ کیونکہ انجمن کی طرف سے سالانہ جلسہ کی دعوت ان کو ہوئی تھی۔ اور انجمن کے دراصل بانی وہی ہی تھے۔ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ بھاگلپور سے مولوی صاحب نکل چکے تھے۔ اور یہاں دو مہینے کے لئے جلسہ ملتوی ہوگیا۔ اس لئے مجھے یہ موقعہ خوب ہاتھ آیا اور فی الفور میں نے بمبئی کی اپنی دکان پر تار دی کہ مولوی صاحب کو ٹھہراؤ۔ اور میں آتا ہوں۔ یہ تار دے کے میں بنگلور گیا اور رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میں ارادہ کر چکا ہوں اب تُو عالم الغیب اور بہتر جانتا ہے۔ میرے لئے جو بہتر ہے وہ مہیا کر۔ صبح کو حسب معمول ناشتہ کر کے گھر سے باہر چبوترہ پر آکر بیٹھا کہ اسی وقت ڈاک والا آگیا اور اس نے ایک چٹھی اور اس کے ساتھ ایک رسالہ الحق دیا۔ میں نے اس رسالہ کو کھولا تو میری نظر سب سے پہلے اس ہیڈنگ پر پڑی جو "بھاری بشارت" سے موسوم تھا۔ اور مضمون اس کا جھنڈے والے پیر صاحب کا واقعہ اور خلیفہ اور عبداللطیف اور عبداللہ عرب کا حضور اقدس میں حاضر ہونے کا تھا۔

غرض اس کے بعد میرا عزم مصمم ہوگیا اور اسی روز شام کو مدراس اور دوسرے روز مدراس سے بمبئی روانہ ہوگیا۔ اور مولوی حسن علی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور چلنے کی بابت گفتگو ہوئی۔ مولوی صاحب مرحوم نے حق مغفرت کرے جواب میں یہ فرمایا کہ میں آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ مگر ایک شرط ہے۔ میں نے کہا وہ شرط فرمائیے۔ انہوں نے کہا کہ اس سفر میں جب تک آپ کا اور ہمارا ساتھ ہے۔ آپ نماز کی پابندی ملحوظ خاطر رکھیں۔ بس یہی پہلی شرط ہے جس کو میں نے شکریئے کے ساتھ قبول کیا۔ دوسرے روز علی گڑھ روانہ ہوگئے۔ اور وہاں کے حالات پر غور کیا گیا تو یہ ایک دوسری دلیل ضرورتِ امام کے لئے ہاتھ آگئی۔ یعنی دو نمونے دیکھے۔ ایک تو اسٹریچی ہال جس میں یورپین انداز وضع کا نقشہ تھا جو زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ جو یہاں داخل ہوگا وہ ضرور ایک نہ ایک دن یورپین انداز کا جنٹلمین ہو جائے گا۔ اور دوسرا نمونہ مسجد کا دیکھا۔ جس کی ظاہری صورت یہ تھی کہ ایک دو پھٹے پرانے بوریئے اور دو چار ٹوٹے پھوٹے لوٹے گویا زبان حال سے اسکا یہ مضمون ادا ہو رہا ہے کہ جو میری طرف رکوع و سجود کے لئے مائل ہوگا اس کی بساط پھٹے بوریئے اور پھوٹے ہوئے لوٹے کے سوا آگے وہی یعنی اللہ اللہ خیر صلاّ۔ غرض یہ دونوں نظارے ایک عبرت لینے کے باعث میرے لئے ہوئی۔ پھر وہاں سے سیدھا قادیان شریف کا ارادہ ہوا۔ ہمارے مولوی صاحب نے بہت کچھ فال قرآن میں دیکھے اور استخارے بھی کئے غرض ہر ایک پہلو پر بھی ان کو جواب ملا کہ چلے چلئے۔ غرض روانہ تو ہوگئے مگر مولوی صاحب کا شروع سے آخیر تک یہی

بیان رہا کہ مرزا صاحب بڑے نیک آدمی ہیں ۔ مگر ان کا یہ دعویٰ ان کی ظاہری وجاہت سے بہت کچھ بڑھا ہوا ہے ۔

مَیں اس کے جواب میں کہتا تھا کہ اب جو کچھ ہے وہاں پہنچ کر ہی ہو گا ۔ جب امرتسر پہنچے تو وہاں مولوی محمد حسین کا کوئی چیلا ہم کو مل گیا ۔ اور اس نے مولوی صاحب کو بہت کچھ ردکا اور بابو محکم الدین صاحب کی کوٹھی تک ہمارا پیچھا نہ چھوڑا اور بلائے بَد کی طرح لگا رہا اور وہاں پہنچ کر بھی مولوی صاحب تو ان کو نرم نرم جواب دیتے رہے اور وہ زیادہ گستاخ ہوتا چلا یہاں تک کہ آخر مولوی صاحب نے میرے پر حوالہ دے کر اپنی جان چھڑائی ۔ جب وہ میری طرف ہوا تو میری ددہی جھڑکیوں سے گھبرا گیا اور پھر بیٹھ نہ سکا ۔ یعنی دفعہ ہو گیا ۔ غرض شب ہم نے گذاری اور صبح کو بٹالہ کی راہ لی اور وہاں پہنچے تو وہاں بھی ایک سدِّ راہ ہوا مگر زیادہ جرأت نہ کر سکا اور ہم وہاں سے یکّوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے ۔ اور جوں جوں دارالامان سے نزدیک ہوتے گئے ویسے ہی دل پر ایک اثر ہوتا گیا ۔ یہاں تک کہ دارالامان کا نظارہ نظر آنے لگا اور جامع مسجد مجھے ایک بُقعۂ نُور نظر آتی تھی ۔ اس سال بارش کثرت سے ہوئی تھی اس لئے پہنچنے میں دیر ہوئی ۔ جب یہاں پہنچے تو میری اپنی یہ حالت تھی کہ ذوق اور محبت سے بھر گیا تھا اور عجیب وغریب لذّت اپنے اندر محسوس کر رہا تھا ۔ غرض ہم قادیان پہنچے اور مولانا مولوی نُورالدین صاحب کے مدرسہ اور مطب کے پاس یکے کھڑے ہو گئے اور ہم دونوں اتر پڑے ۔ غروب آفتاب کا وقت تھا ۔ مولوی حسن علی صاحب نے نُورالدین صاحب سے مجھے تعارف کرایا ۔ اور مَیں ان سے مصافحہ کر کے پاس بیٹھ گیا ۔ اتنے میں کسی نے آکر خبر دی کہ وہ نیا مکان جو تیار ہوا ہے اس میں ان مسافروں کا اسباب بھیج دو ۔ مولوی حسن علی صاحب اسباب کے ہمراہ اس مکان کو تشریف لے گئے اور مَیں نماز عصر پڑھ کر مولوی نُورالدین کی خدمت میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص نے آکر خبر دی کہ حضرت اس نئے مکان میں آکر جلوہ فرما ہوئے ہیں ۔ تو مَیں یہاں سے اٹھا اور جلد اس مکان میں داخل ہوا اور میری نظر چہرہ مبارک پر پڑی ۔ مَیں حلفاً گذارش کرتا ہوں کہ حضور کا سراپا اس وقت ایک نُورِ مجسّم مجھے نظر آیا ۔ اور مَیں آنکھ بند کر کے حضور کی دست بوسی کرنے لگا ۔ اور جوشِ محبت کے ساتھ میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے ۔ اور حضور اس کے بعد کمال مہربانی اور شفقت سے احوال پُرسی فرماتے رہے اور میرا حال یہ تھا کہ اندر ہی اندر مولوی حسن علی صاحب کو ملامت کرتا تھا کہ انہوں نے حضور کی ظاہری وجاہت کیا بتلائی تھی اور یہاں کیا کچھ نظر آرہا ہے اور منتظر تھا کہ حضور یہاں سے تشریف لے جائیں تو ان کی خبر پورے طور سے لوں ۔ یہ میرا خیال ہو چکا اور حضور اقدس وانورؑ بھی اسی وقت اندر تشریف لے گئے اور جونہی میں مولوی

حسن علی صاحب سے مخاطب ہوا۔ انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ خدا کی قسم یہ وہ مرزا نہیں جن کو کچھ برس پہلے میں نے دیکھا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی وجود نظر آرہا ہے۔ غرض کہ ظاہری وجاہت میں بھی حضور کی بہت کچھ ترقی انہوں نے بیان فرمائی اور اسی وقت کہہ دیا کہ بے شک اب یہ وہی نظر آرہے ہیں جس کا ان کو دعویٰ ہے اور مجھے کہا کہ بے شک تم بیعت کر لو۔ چونکہ میں نے اپنی بھی ان سے غرض بتائی تھی کہ فقط اس لئے آپ کو ساتھ لیتا ہوں کہ موقع پر آپ مجھے نیک اور میرے مناسب مشورہ دیں۔ پس اسی طرح انہوں نے فی الفور کہہ دیا اور میری اندرونی حالت یہ تھی کہ اگر ایک نہیں ہزار دفعہ بھی اس کے خلاف اگر وہ مشورہ دیتے تو میں حلقہ بگوش ہوئے بغیر اس مبارک آستانہ سے جدا نہ ہوتا مگر الحمدللہ کہ فی الفور مولوی صاحب نے مجھے میری دلی آرزو کے مطابق کہہ دیا۔ لیکن ان کا خاص ارادہ بالکل اس امر پر نہ تھا۔ ان کے لئے سب ہمارے مدراسی بھائیوں کی یہ رائے تھی۔ اگر مولوی صاحب کی مرضی بھی آجائے پھر بھی مصلحت کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ چونکہ اس وقت کی مخالفت بڑی سخت تھی اور مولوی صاحب سے ابھی وہاں بہت کچھ ہونا باقی تھا۔ اس لئے میں خود اس وقت اس امر کے مخالف تھا مگر مولوی صاحب پہلے ہی نظارہ میں زخمی ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ بجائے خود بڑی تشویش میں پڑ گئے اور استخاروں پر استخارہ کرنے لگے اور فرماتے تھے کہ مجھے کچھ پتہ نہیں لگتا کہ میں کیا کروں۔ تو اس کے جواب میں ان کو وہی کہتا تھا۔ جو تمام احباب کی رائے تھی جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے مگر وہ ان کے خلاف مرضی ہوتی تھی۔ اور پھر استخاروں کی طرف جھک جاتے تھے اور مجھے بھی روک رکھا تھا۔ غرض چارشنبہ کے دن بعد نماز صبح اپنی عادت کے موافق چادر اوڑھ کر سو گئے اور چند منٹوں بعد جیسا ان کی عادت تھی اٹھے اور فرمایا کہ مجھے یہی جواب ملا ہے کہ مولوی نورالدین صاحب کے مشورہ پر عمل کرو۔ غرض اسی وقت حضرت مولانا مولوی صاحب کو تشریف آوری کے لئے پیغام بھیجا اور حضرت مولانا کے اظہار کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ تو شاید بیعت کر چکے۔ جواباً میں نے عرض کیا کہ مولوی صاحب نے مجھے روک رکھا ہے۔ اس کو سن کر مولانا نے فرمایا کاش تم نے معاً کر لی ہوتی تو اب تک اس کا کچھ نہ کچھ اثر بھی محسوس کر لیتے اور پھر مولوی صاحب سے کہا پوچھتے کیا ہو؟

در چہ باشی زود باش۔ غرض مولوی صاحب کے مشورہ کے بعد یہی صلاح ٹھہری کہ کل شب جمعہ ہے اور ہم دونوں بیعت کریں گے اور جمعہ پڑھ کر شنبہ کو روانہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ حضور نے وہی دن روانگی کا مقرر فرمایا تھا۔ اس کے بعد مولوی حسن علی صاحب کا یہ حال تھا کہ بار بار فرماتے تھے کہ شب جمعہ تو کل ہے اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ ابھی اس میں دیر ہے اور یہاں اتنی دیر کرنے کی

برداشت نہیں ہے۔ غرض اسی روز شام کو یہ عاجز اور مولوی صاحب بیعت سے مشرف ہوگئے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

اس کے بعد کوئی دو دن ہی ٹھہرنا ہوا اور حضور سے جدا ہوگئے۔ پھرتے پھراتے کوئی ایک مہینے کے بعد مدراس پہنچے اور وہاں حضرت مولوی سلطان محمود صاحب نے بڑا ہی اہتمام فرمایا تھا۔ سٹیشن سے سیدھا میلاپور لے گئے اور پُر تکلّف دعوت دی۔ اور ساتھ ہی اس ناچیز کو ایک ایڈریس بھی دیا۔ صدہا مخالف بھی اس وقت جمع تھے۔ مَیں نے اس ایڈریس کے جواب میں کچھ نہ کہا صرف اتنا ہی کہا کہ کل مولوی حسن علی صاحب تشریف لادیں گے اور مجھ سے بدرجہا افضل بھی ہیں جو کچھ ہم نے وہاں دیکھا اور پایا اس کو وہ خوب ادا کریں گے۔ اور بعد جلسہ برخاست ہوگیا۔ اس کے بعد مخالفت کی آگ بہت تیز ہوگئی۔ یہاں اب اسی سے غرض نہیں۔ مگر یہ ظاہر کرنا ضروری تھا۔ کہ قبل از بیعت میری حالت کیا ہوئی اور ضرورتِ امام کس حد تک محسوس ہونے لگی اور پھر حضرت امام کی صداقت پر زمینی اور آسمانی نشان کیا کیا ظاہر ہوئے جن پر توجہ نہ کرنے سے کیا نتائج پیدا ہو رہے ہیں غرض ان باتوں کا مختصر طور پر ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سب سے اوّل اس امام الزمان .... کی بیعت کرنے کے بعد اپنے اندر جو تبدیلی ہوئی اس کو مختصر الفاظ میں لکھ دینا کافی ہے۔ ابتدائی عمر کے زمانہ کے بعد زمانہ اوسط اور اس کے بعد لگاتار زمانہ بیعت جو کچھ اپنی عملی حالت مَیں نے بتائی ہے اس کا ازالہ ہونا چلا اور کوئی بیس اور پچیس برس کی ناگفتنی علّتیں اور عادتیں جو اپنے اندر تھیں اور جن کی بابت کبھی کبھی خیال کر کے مَیں رو دیا کرتا تھا کہ اب ان بُرائیوں سے نجات کس طرح ہوگی اور مجھے یہ اَمر ناممکن معلوم ہوتا تھا اور فی الحقیقت اگر مَیں ہزار کوشش کر کے بھی جان چھڑاتا تو پھر یہ اَمر ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ میری صحت وغیرہ میں کچھ فتور پیدا نہ ہوتا۔ مگر حلفاً لکھتا ہوں کہ بعد بیعت وہ سب باتیں یکے بعد دیگرے ایسی دُور ہوگئیں جیسا لاحول سے شیطان بھاگتا ہے اور مجھے تکلیف بھی محسوس نہیں ہوئی۔ اور صحت کا یہ حال ہوگیا کہ گویا ان ارتکابوں کے وقت مَیں بیمار تھا۔ اور ان کے تَرک کے بعد تندرست ہوگیا۔ اور یہ صرف حضرت حجۃ اللہ امام ہمام .... کے انفاسِ طیبات کی طفیل نصیب ہوا اور اب اپنے اندر وہ باتیں دیکھتا ہوں کہ بے اختیار ہو کر رب کریم و رحیم کا شکر کرتا ہوں اور ابتدائی زمانہ کو بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اگرچہ مَیں اب تک اپنے آپ کو ایک گندہ بشر سمجھتا ہوں اور اپنے اندر بہت سے عیوب محسوس کرتا ہوں مگر اس مولا کریم کی جناب میں قوی اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے حبیبؐ کی جوتیوں کے صدقے میری مغفرت کر دے گا۔ اب دوسری بات یہ کہ ضرورتِ امام کس حد تک محسوس

ہونے لگی سو اس کے بارے میں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے اگرچہ اس کا وجود باوجود کوئی بیس برس سے قائم ہے وہ نہ ہوتا تو یہ دنیا غارت ہی ہو جاتی اور میرا کامل یقین ہے کہ اس کے مبارک وجود کے طفیل جو سراسر رحمت الٰہی کا مظہر ہے یہ دنیا قائم ہے اور بہت کچھ برکات اور فیوض آئندہ اس کے وجود باجود سے اس کو نصیب ہونے والے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب وہ تمام باتیں عام طور پر ظاہر ہو جائیں گی ۔ اگرچہ خاص طور پر اس کا مشاہدہ کرنے والے مشاہدہ بھی کر چکے ہیں ۔ والحمد للہ علیٰ ذالک ۔

اب تیسری بات یہ ہے کہ اس عالی جناب امام کی صداقت پر زمینی اور آسمانی نشان کیا کیا ظاہر ہوئے سو اس کا جواب یہی ہے کہ اکثر وہ سب ظاہر ہو گئے ہیں جن کا حدیثوں میں ذکر ہوا ہے ۔ اور اکثر اکابران دین پر اس چودھویں صدی ہی میں اس کے ظہور فرمانے کا زمانہ کشفاً اور الہاماً ظاہر ہو گیا ہے اور وہ اپنی اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر بھی کر چکے ہیں ۔ اور ان سب باتوں کے مفصل مذکور کے لئے ہمارے امام.......... کی کتابیں بھری پڑی تھیں ۔ خدا تعالیٰ دنیا کو ان کتابوں کے دیکھنے کی توفیق نصیب کرے ۔ تو پھر کسی قسم کا شک باقی نہ رہے گا ۔

اب رہی چوتھی بات کہ امام وقت کی طرف رجوع نہ کرنے کا باعث کس قسم کے آثار وقوع پذیر ہونے لگے ہیں ۔ تو جواب میں یہ گزارش کافی ہوگی ۔ کہ عیاں را چہ بیان آج کامل تین سال ہوئے جو قہر الٰہی کے آثار کل دنیا میں آشکار ہو گئے ہیں مگر خاص کر کے ہند کا حال تو پوچھو ہی نہیں ۔ ابتداء تو طاعون سے ہوئی ہے مگر بعد اس کے کل ان قہر الٰہی کے نمونہ جو وقتاً فوقتاً مخالف مغضوب قوموں کے لئے ہوئی جن کا ذکر خود اللہ جلّ شانہ کی کتاب پاک میں موجود ہے ظاہر ہو گئے ہیں ۔ اور پھر یہ نہیں کہ ایک وقت دیکھو طاعون کا حملہ باری باری سے کس طرح ہوتا ہے ۔ اور پھر یہ گو ہنوز روز اول ہے اور بعد اس کے قحط کو دیکھو پچھلے سال اس قدر شدت نہ تھی جتنی اس سال میں ہے ۔ اخبار بینوں پر مخفی نہیں ۔ اس کے بعد زلزلہ آیا ۔ پہلی مرتبہ تو چند ایک پُرخطر منظر پر تھا ۔ جو خیر گزری تھا اور بنگالہ ضلع میں کلکتہ سے پرے کے دارجلنگ پر ایک وقت شدت سے ہوا اور کچھ خفیف سا نقصان بھی ہوا ۔ مگر جانوں کی خیر گزری اور بعد اس کے خفیف طور پر مختلف مقاموں پر کچھ کچھ حرکتیں اس کی ہوتی آئیں ۔ مگر پچھلی دفعہ جو اس کا حادثہ ہوا جس کو ابھی چند مہینے گزرے کس قیامت کا ہوا ۔ کتنی جانیں تلف ہوئیں اور کتنے مقامات زمین کے اندر دھنس گئے ۔ علیٰ ہذا القیاس سیلاب کی بابت دیکھئے پہلے تو جب چٹگام اور اس کے اطراف میں آیا تو کچھ کم نقصان ہوا مگر بار ثانی جو پٹنہ ضلع بھاگلپور اس کی نوبت پہنچی تو کیا کچھ خرابی نہ ہوئی ۔ صدہا گاؤں غرقاب ہو گئے اور بے حساب بندگان خدا اور چارپائے ہلاک

ہوگئے جس کا صحیح اندازہ اب تک نہیں ہوا اور کوئی شہر پر پانچ میل کے اندر پانی دس سے بارہ فیٹ چڑھ آیا تھا۔ غرض اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ آتشزدگی کا حال تو پوچھو ہی نہیں۔ کوئی ہفتہ شاید خالی نہیں جاتا اور جان و مال کی خرابی نہیں ہوتی اور یہ مسلسل تین سال سے میں تجربہ کر رہا ہوں۔ اب آخیر سال میں جو کچھ لوگوں میں یہ بھی مشہور تھا کہ قیامت آئے گی اور پھر ان میں بعض قوموں کا تو یہ حال تھا کہ اس امر کو بالکل یقینی سمجھے ہوئے تھے جس سے ایک عجیب طرح کا خوف ان پر مستولی تھا۔ جس کا میں نے خود نظارہ کیا ہے لیکن علی العموم یہ خوف تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو کے رہے گا۔ الّا ماشاء اللہ۔ غرض اس ایک بات کو بھی ذرا عمیق نظر سے دیکھو تو یہ کتنا بڑا نمونہ قہر الٰہی کا ثابت ہوتا ہے۔ غرض آخر الامر اسی تاریخ کے قریب قریب بعض مقاموں پر ایسا ہوا کا سخت طوفان آیا کہ مکانوں کے اُڑ جانے کا خوف ہوگیا۔ اور اکثر مکانوں کی چھت اُڑ بھی گئی۔ یہ واقعہ مدراس کے قریب ناگپٹن میں ہوا۔ جو ایک بڑا بندر ہے اور سب اخباروں میں اس کا ذکر ہوا تھا۔ اور بعض لوگوں کی زبانی میں نے یہ سُنا۔ جو وہاں سے آئے تھے کہ جب یہ حادثہ شروع ہوا اور شدت ہوتی چلی تو ہم کو یہ یقین ہوتا گیا کہ بے شک قیامت ہی کے آثار ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی صور ہے کسی کو باہر نکلنے کی طاقت نہ تھی اور صدہا بلکہ ہزارہا بڑے بڑے تناور درخت بیخ و بن سے اکھڑ کر گر گئے اور پختہ مکانات اور چھتیں گر گئے اور ہم کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ اس قیامت خیز حادثہ سے ضرور ہم ہلاک ہو جاویں گے اور فی الحقیقت اور کچھ تھوڑے سے وقت اگر یہ حادثہ اسی طرح قائم رہتا تو سارا نا کہیں نابود ہو جاتا۔ مگر اللہ کا فضل کہ جلد وہ رفع ہو گیا۔ اور ہم نے یہ نئی زندگی پائی۔

غرض یہ تو ان واقعات کا ذکر ہے جو اضطراری صورت رکھتے ہیں یعنی انسانی دخل کسی طرح کا ان میں نہیں اور اگر ان امور کی طرف خیال کرتے ہیں جن میں فی الجملہ انسانی دخل ہوتا ہے۔ اور جن کو اختیاری کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں تو ان کی حالت زیادہ وحشت خیز نظر آتی ہے۔ بالخصوص تجارتی امور کو دیکھئے اس کو بتلانے کے آگے ہی یہ امر ظاہر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس برٹش حکومت میں اس کی ترقی کس حد تک پہنچی ہوئی ہے اور اگر سچ پوچھو تو برٹش حکومت کی ترقی کا یہی زبردست اصول ہے۔ اور گو یہ زمینی استحکام بھی ہے مگر اس کی حالت اس قدر ابتر ہو گئی ہے اور ہوتی جاتی ہے۔ جس کو مفصل بتلانے کے بہت کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے مختصر کیفیت یہ ہے کہ بہت سے بیچارے تو گو کہ مقابلہ سے دستبردار ہو بیٹھے ہیں اور گو یہ وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور بہت سے ناتجربہ کاری کے باعث خراب ہو گئے اور جو کچھ حصہ کام کر رہا ہے اس کی یہ حالت ہے کہ گو یہ اگر امام شبے بالم شبے

باقی صہ ۴۱ پر

اخبارِ مجالس

مجلس مشاعرہ بسلسلہ یوم مسیح موعود

مجلس انصاراللہ مقامی، ربوہ کے تحت یوم مسیح موعود...... کے سلسلہ میں مورخہ ۲۷، مارچ ۱۹۹۶ء کو ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ جس کی صدارت جماعت احمدیہ کے معروف شاعر جناب مولانا نسیم سیفی صاحب نے کی۔ جبکہ سٹیج سیکرٹری کے فرائض لئیق احمد عابد صاحب نے ادا کئے۔

مشاعرہ کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ جو مکرم قاری محمد عاشق صاحب نے کی۔ اس کے بعد مکرم محمد اسلم صابر صاحب نے کلام مسیح موعود......

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار

کے چند اشعار خوش الحانی سے سنائے۔ مشاعرہ کے باقاعدہ آغاز سے قبل محترم مولانا محمد صدیق شاہد گورداسپوری صاحب زعیم اعلیٰ انصاراللہ، ربوہ نے مشاعرہ کی غرض و غایت بیان کی۔

مشاعرہ کا آغاز کرتے ہوئے سٹیج سیکرٹری لئیق احمد عابد صاحب نے سب سے پہلے یوم مسیح موعود کی مناسبت سے اپنی نظم پیش کی۔ دو شعر حاضرین نے بہت پسند کئے۔

چاند سورج کا نشاں ان کو نظر آیا نہیں
کل تلک کہتے تھے جو کہ چاند گہنایا نہیں

پیش گوئی کے مطابق توڑ دی اس نے صلیب
تم یہی کہتے رہے عیسیٰ ابھی آیا نہیں

اس کے بعد مکرم عبدالسلام اسلام صاحب نے کلام پیش کیا۔ ایک شعر یوں تھا۔

رُخِ طاہر کے گرد اگرد کیسی جھلملاہٹ ہے
کہ جیسے چاند کے چاروں طرف ہو کہکشاں رکھ دی

پھر رفیق اکبر صاحب اور خلیق بن فائق صاحب نے کلام پیش کیا۔ اکبر فانی صاحب نے پنجابی زبان میں نظم پیش کی۔ ایک مصرع بہت پسند کیا گیا۔

دیکھ کے شکل ادھری چن شرما گیا

عبدالسلام ظافر صاحب نے ترنّم سے اپنا کلام پیش کیا۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

اے سونے والو جاگ اٹھو یہ وقت نہیں ہے سونے کا
یہ وقت ہے وہ جس کی قومیں صدیوں سے خبر دیتی ہیں رہی

اس کے بعد انور ندیم علوی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں اپنی نظم پیش کی۔ ایک شعر یوں تھا۔

اے نسیم سحر ان کو جاکر بتا تیری چاہت میں ذرّہ بھی اختر بنا
ایک کے بعد دُوجا لطیف آگیا تیرے عشاق تجھ پر فدا ہو گئے

بعد ازاں اکرم محمود صاحب نے ایک خوبصورت نظم پیش کی اور خوب داد حاصل کی۔ یہ شعر بہت پسند کیا گیا۔

خوشبو کہیں پابندِ سلاسل نہیں ہوتی
دریا کی روانی بھی کوئی روک سکا ہے

یوسف سہیل شوقؔ صاحب نے نہایت عمدہ آزاد نظم پیش کی۔ جن کے بعد راجہ نذیر ظفر صاحب نے نظم پیش کی۔

اس کے بعد مبارک احمد عابدؔ صاحب نے ترنّم سے اپنی نظم پیش کی۔ جس کے دو خوبصورت شعر یوں ہیں۔

اوصاف تیرے کیسے الفاظ میرے لکھیں
مے خانہ ہے مے خانہ پیمانے ہیں پیمانے

سلطانِ قلم تیری تحریر کے موتی ہیں
یا عشقِ محمدؐ میں ڈوبے ہوئے افسانے

اس کے بعد چوہدری شبیر احمد صاحب نے ترنّم سے نظم پیش کی۔ جن کے بعد محترم چوہدری محمد علی صاحب نے دو خوبصورت نظمیں پیش کیں جنہیں حاضرین نے بہت پسند کیا۔

مَیں صلیبِ لفظ پر چڑھ جاؤں گا ہنستا ہوا
یہ پُرانا قرض بھی آخر ادا ہو جائے گا

سر بُریدہ لفظ ہم سے رات یہ کہنے لگے
اب نہ بولو گے تو کاغذ کربلا ہو جائے گا

کبھی یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ گلہ نہ کرے
یہ اور بات کہ اوروں سے تذکرہ نہ کرے

ہمیں نے وقت کی دہلیز پہ کھڑے ہو کر
اُسے کہا تھا کہ جلدی میں فیصلہ نہ کرے

اس کے بعد صدرِ مشاعرہ جناب مولانا نسیم سیفی صاحب نے اپنی نظم پیش کی۔ اور ایک قطعہ ایم۔ٹی۔اے کے حوالہ سے پیش کیا۔

ایسے لگتا ہے کہ خطبے کا مخاطب میں ہوں
میرے گھر آکے میرے سامنے جب بولتے ہیں
یہ ہے ایم۔ٹی۔اے کہ احسان خداوندی ہے
میں جہاں ہوں میرے کانوں میں رس گھولتے ہیں

اور یوں یہ مجلس مشاعرہ رات گئے دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

(رپورتاژ)

مثالی وقار عمل (شجرکاری) مجلس انصاراللہ کریم نگر فیصل آباد

مورخہ ۳۰۔اگست ۱۹۹۶ء بروز جمعۃ المبارک مجلس انصاراللہ کریم نگر فیصل آباد کے زیرِ اہتمام مثالی وقار عمل منایا گیا جس میں احمدیہ قبرستان فیصل آباد واقع ۱۲۱ ج ب گوکھووال میں شجرکاری کی گئی۔ اور اراکین مجلس نے کل اسی پودے لگائے۔ الحمدللہ۔ پودے مجلس کی طرف سے فراہم کئے گئے۔ احمدیہ قبرستان فیصل آباد بیت الحمد کریم نگر سے قریباً ۶-۷ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ چنانچہ سوا سات بجے صبح بیت الحمد میں خدا کے فضل سے احمدیہ قبرستان فیصل آباد واقع ۱۲۱ ج ب گوکھووال پہنچ کر شجرکاری مہم کا افتتاح مکرم میاں عبدالحلیم صادق صاحب سپیشل جج نے انار کا پودا لگا کر کیا۔ بعد ازاں تمام اراکین مجلس نے ایک ایک اور بعض اراکین نے دو دو تین تین مخصوص جگہوں پر سفیدے کے ۷۲ پودے لگائے۔ اور آٹھ پودے پھلدار لگائے گئے۔ اس طرح مجلس کی طرف سے بذریعہ اراکین کل اسی پودے لگائے گئے۔ بعد ازاں تمام حاضرین کو ناشتہ پیش کیا گیا۔

اس وقار عمل میں ۴ خدام اور ۸ اطفال بھی شامل ہوئے۔ آخر میں دعا کے ساتھ یہ وقار عمل اختتام پذیر ہوا۔

(حافظ محمد اکرم حفیظ۔ زعیم اعلیٰ)

تعزیت و دُعا

○ محترم شیخ مبارک محمود صاحب پانی پتی ابن حضرت شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نائب ناظم اشاعت انصاراللہ ضلع لاہور طویل علالت کے بعد مورخہ ۲۸ ستمبر کو وفات پاگئے۔

مرحوم واقفِ زندگی تو نہ تھے مگر عملی طور پر اپنے آپ کو سلسلہ کے کاموں کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ آپ کو مجلس خدام الاحمدیہ لاہور شہر، ضلع اور علاقہ میں مختلف عہدوں پر خدمات بجالانے کا موقع ملا۔ ایک طویل عرصہ بطور معتمد نہایت احسن رنگ میں کام کرتے رہے۔ اسی طرح مجلس انصاراللہ ضلع لاہور میں بھی مسلسل مختلف عہدوں پر خدمات انجام دیتے رہے۔ جماعت احمدیہ لاہور کی مرکزی مجلس عاملہ کے بھی ممبر رہے جو خدمت بھی آپ کے سپرد کی گئی آپ نے نہایت محنت، خلوص اور لگن سے سرانجام دی۔ احمدیت کے فدائی، نظام سلسلہ کے پابند اور خلافت سے حقیقی عشق رکھنے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ محترم شیخ صاحب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

محترم شیخ صاحب موصوف کے بارہ میں مجلس عاملہ و زعماء اعلیٰ انصاراللہ لاہور کی طرف سے بھی قرارداد تعزیت بھجوائی گئی ہے۔

○ محترم ڈاکٹر حافظ مسعود احمد صاحب مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۹۶ء کو وفات پاگئے۔ آپ بہت مخلص ہمدرد ہر میدان میں قربانیاں دینے والے، مالی قربانی میں صف اول کے مجاہد اور خدمت خلق کرنے والے تھے۔ مختلف جماعتی عہدوں پر سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت بجالاتے رہے۔ آپ لمبے عرصہ تک رمضان المبارک میں قرآن کریم سناتے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قربِ خاص سے نوازے۔ آپ کے بارہ میں مجلس انصاراللہ سرگودھا نے بھی ایک قرارداد میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔

کفالتِ یتامیٰ

اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضلوں کو جذب کرنے کا ایک یقینی ذریعہ

۱۔ جنوری ۱۹۹۱ء میں ہمارے پیارے آقا نے جوبلی منصوبہ کے تحت کفالتِ یتامیٰ کی ایک نہایت مبارک تحریک جاری فرمائی۔ جس میں مخلصین نے نہایت بشاشت کے ساتھ حصہ لیا۔ اور آج خدا تعالیٰ کے فضل سے ۲۵۸ گھرانوں کے ۹۲۳ مستحق یتامیٰ کی بطریقِ احسن کفالت کی جا رہی ہے۔

اس مبارک تحریک میں کوئی بھی دوست حسبِ حیثیت رقم مقرر کر کے کسی بھی وقت شامل ہو سکتے ہیں۔ اس وقت مستحق یتیم بچوں پر عمر اور تعلیم کی ضروریات کے لحاظ سے چار صد روپے سے ایک ہزار روپے تک ماہوار خرچ کا اندازہ ہے۔ آپ اپنی خواہش اور مالی وسعت کے لحاظ سے جو رقم بھی باقاعدہ مقرر کرنا چاہیں کمیٹی کو اس کی اطلاع کر دیں اور اپنی رقوم "امانت کفالت یکصد یتامیٰ" خزانہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں براہِ راست یا مقامی انتظام جماعت کی وساطت سے جمع کرائیں۔ یتامیٰ کی کفالت کرنے والوں کے لئے بروز قیامت عظیم الشان شفاعت کی خوش خبری دی گئی ہے۔

اب جبکہ اس مبارک تحریک میں آغاز سے حصہ لینے والے مخلصین کے اسمائے گرامی مستقل طور پر محفوظ کئے جا رہے ہیں سب احباب جماعت کے لئے یہ ایک اچھا موقع ہے کہ

ا۔ اگر وہ اس مبارک تحریک کے ابتداء سے حصہ نہیں لے سکے تھے اور بعد میں کسی وقت اس کی طرف توجہ یا توفیق ہوئی تو ایسے احباب کے لئے اب بھی یہ گنجائش موجود ہے کہ وہ تحریک کے آغاز جنوری ۱۹۹۱ء سے قربانی کرنے والوں میں شامل ہو سکتے ہیں اور جتنا عرصہ جنوری ۱۹۹۱ء سے بنے اس کی ادائیگی یکمشت کر سکتے ہیں تاکہ اس تحریک کے آغاز سے قربانی کرنے والوں کے گروہ میں شامل ہو سکیں۔

ب۔ جو دوست ابھی تک اس تحریک میں شمولیت کی سعادت نہیں پا سکے ان سے اولاً یہ گزارش ہے کہ اس نیک اور بابرکت تحریک میں اپنی حیثیت کے مطابق شرکت فرما دیں۔ نیز یہ کہ ایسے نئے شامل ہونے والے احباب کے لئے بھی جنوری ۱۹۹۱ء سے اپنی قربانی کا آغاز کرنے کی گنجائش موجود ہے تاکہ وہ بھی ابتداء سے ہی اجر کے مستحق ٹھہریں۔

ج۔ نیز احباب کی آگاہی کے لئے یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ حضور انور نے ایسے احباب کو بھی ادائیگی کی اجازت عطا فرمائی ہے جو گاہے گاہے کوئی رقم مقرر کئے بغیر کچھ نہ کچھ اس "مد" کفالت یکصد یتامیٰ میں مقامی انتظام جماعت کے ذریعہ حسبِ منشاء جمع کرانا چاہتے ہیں۔

۲۔ مستحق یتامیٰ یا اُن کے ورثاء توجہ فرماویں: حضور انور کے ارشاد کے ماتحت امانت "کفالت یکصد یتامیٰ" سے ایسے مستحق یتامیٰ کو وظائف دینے کا انتظام ہے جو اپنی پرورش، تعلیم اور مستقبل کی اٹھان کے لئے سلسلہ کی طرف سے مدد لینے کے خواہاں ہوں۔ ایسے بچوں کی والدہ یا ورثاء یتامیٰ کمیٹی کو اطلاع دیں تا اُن کے لئے وظائف کا انتظام کیا جا سکے۔

اُمراءِ اضلاع و مربیان کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ جماعت میں سے ایسے گھرانوں کی نشان دہی کر کے یتامیٰ کمیٹی کا ہاتھ بٹائیں تا اُن کی مدد کا مستقل انتظام کیا جا سکے۔

(ملک منور احمد جاوید)
سیکرٹری کمیٹی کفالت یکصد یتامیٰ
دارالضیافت ۔ ربوہ

بقیہ: آپ بیتی

دیکھ لی مانم ایسی خوفناک تجارت کی حالت ہے یہ تو میں نے ایک بات بتلائی جس کا بہت بڑا اثر ہے۔ لیکن ساتھ اس کے اگر زراعت اور مزارعین کو دیکھتے ہیں تو تاجروں سے بھی بدتر ان کو پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی حکومتیں اور سلطنتوں کے حالات پر غور کرتے ہیں تو سب سے زیادہ پریشان اور افکار دوں کے سمندر عمیق غرق بھنور نظر آتے ہیں غرض علی العموم زمانہ کی حالت بدلی ہوئی نظر آتی رہی ہے۔ اور کیا چھوٹا اور کیا بڑا اپنی اپنی حد پر متفکر اور پریشان ہی نظر آتا ہے گویہ جمعیت اور طمانیت مفقود ہو گئی ہے اور ساتھ ہی اس کے گویہ مروت محبت وفا یہ باتیں بھی اٹھ گئیں ہیں۔ جب وہ نہیں تو یہ کہاں۔ غرض وہ مولیٰ کریم اپنا فضل فرمادے اور اپنے بندوں کو نیک توفیق دے کہ تا وقتوں کو پہچانیں اور سلامتی راہ جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں اور جس کے دکھلانے کے لئے حضرت امام آخرالزمان جن کا مبارک لقب مسیح و مہدی ...... ہے موجود ہو گئے ہیں اور بڑے دردِ دل سے منادی کر رہے ہیں۔ ان کی پیروی نصیب کرے۔ آمین

خاکسار عبدالرحمٰن ۸ ر رمضان المبارک

(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ حصہ اوّل صـ۴۱ تا صـ۵۲)

حقیقی تقویٰ

سیّدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ...... رسالہ "الوصیت" میں فرماتے ہیں:۔

"اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے روح القدس سے حصّہ لو کہ بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نفسانی جذبات کو بکلّی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جُدا کرتی ہیں۔ اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ وہ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذّت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجبِ غضبِ الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے اور اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر اپنی عزت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر تم تلخی اٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے۔ اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے۔ لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جس کو دل میں لگانا چاہیئے۔ وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتی ہے تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی جڑ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے اور اگر وہ باقی رہے تو سب کچھ باقی ہے۔ انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ۔ جو زبان سے خدا طلبی کا دعوہ کرتا ہے لیکن قدمِ صدق نہیں رکھتا......"

(روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۸)